



دیوان غنایالب

نسخہ اسرارہ کا

مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی



PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنر»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پر رابطہ کیجیے۔ شکریہ

چھپنا
دیوانِ غالب نسخہ امروہہ
کا

مرتبہ
سید نیس شاہ جیلانی

۱۹۸۹ء

فکشن ہاؤس



لاہور • حیدرآباد • کراچی

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں


نام کتاب :	بھٹنادر ایوان غالب نسخہ امرہ کا
مرتب :	سید انیس شاہ جیلانی
اجتہاد :	ظہیر احمد خاں
پبلشرز :	فکشن ہاؤس لاہور
کمپوزنگ :	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس لاہور
پرینٹرز :	سید محمد شاہ پرینٹرز لاہور
سرورق :	ریاض ظہور
اشاعت :	2013ء
قیمت :	240/- روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 39-حرگ روڈ لاہور فون: 042-37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52,53 راہ سکائنر چوک حیدر آباد فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس خوشین سٹریٹ غلامدکان نمبر 5 اردو بازار کراچی فون: 021-32603056

فکشن ہاؤس 

● لاہور ● حیدر آباد ● کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

خوش طبعی اور دل جوئی کا وہ جوہر جو غالبؔ کا حصہ تھا ایک دافر مقدار میں ہمارے

میاں مسعود احمد خان جھنڈیرے

میں نمایاں اور ان کے حراج میں جاری و ساری ہے اس پر بھی میں ایسا جانتا ہوں

غالبؔ سے وہ مناسبت حضرت کو نہیں ہے

جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہونے مقرر ما مجموعہ کتاب کے دیبا اور علم دوست حضرات

کے سرپرست کی

نذر

اس موقع پر کر رہا ہوں کہ وہ غالبؔ پروری میں پیش قدمی فرمائیں گے زیادہ عداوت

خاکسار

انجمن شاہ جیلانی

۸ فروری ۱۹۷۹ء

حرفِ حرف

غالبؔ سے متعلق کیا کیا جگہ نہیں چھپ چکا پھپھتا رہتا ہے پھپتا رہے گا یہ فخر اسی کو حاصل ہے عالمگیر میں ہمارا شمار نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا اس سے بحث نہیں ہے کہ ہم سے کچھ لکھنا آتا بھی ہے بس ایک ہی دھن کوئی چیز ادھر ادھر نہ ہونے پائے اے سمیٹ لو اے کاغذ لودہ پہچانے کم ہی گئے۔ پہلو دار ہی اسنے تھے۔ ان کی دھلیقہ خواری پر اکثر لودے کی جاتی ہے اب یہ تو کوئی دیکھتا نہیں خود بہادر شاہ ظفرؒ ہماری طرح کے تعویذ گنڈے اور دکھاوے کی چیز تھے تیسری پشت میں انگریز کے دھلیقہ خوار۔ ایسے میں غالبؔ کو آڑے ہاتھوں لینا کہاں تک روا ہے وہ تو داد طلب ہے وہ آنکھیں چرا نے والا نہیں تھا زمانے کے تیر جان چکا تھا سانسے کی تو بات تھی۔ غالبؔ کا دیوان بھی اُس کی شخصیت سے مختلف کوئی اور نہیں وہ بھی مستقل موضوع ہے اسی سلسلے کا یہ یونہی ساموا پیش کیا جا رہا ہے لطف و لذت آپ کے ذوق و شوق پر منحصر ہے۔

خاکسار

اتیس شاہ جیلانی

۱۱ جنوری ۱۹۹۸ء

لطیف الزماں خاں
 کا بے حد کامیاب جوانی حملہ اور ترکی بہ ترکی جواب
 معروف ادیب شاعر مفسر ”محقق“ اور صحافی ناشر
 حضرت مشفق خواجہ کے لیے

”موصوف (لطیف الزماں خاں) کے پاس غالب سے مشفق کتابیں کا
 بہت بڑا ذخیرہ ہے اس کی کتاب انہیں غالب شناس قرار دینا ایسا ہی ہے
 جیسے کسی کے پاس قوت شاہ کی دواؤں کا ذخیرہ دیکھ کر اس کی قوت مردی
 کی شان میں تصدیق پڑھے جائیں۔“

[مشفق خواجہ نام کوہر نو شاہی، مکتوبہ بریکیل غالب از سید مصین الرحمن، ۲۰۰۹ء طبع اول، دو ہزار]

”جناب مشفق خواجہ! کیا پدی اور کیا پدی کا شورہ! میں چار جوان
 جہان بچوں کا باپ ہوں آپ نے خواجہ سرا کیا لطیف ہے کہ میری
 ”مردانگی“ پر وہ شہ ظاہر کر رہا ہے جو بے چارہ خود قوت مردی سے
 بالکل محروم ہے۔ لاہور میں ان کے ہم پلہ ”مرد حقیقی“ ہاتھ ہوئے
 ڈاکٹر عبدالوحید قریشی کا بھی یہی حال ہے۔ نہ مشفق خواجہ کے کوئی

اولاد نہ دیکھ کر قریبی صاحب اولاد۔ دونوں دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور ”طہیت“ کا عیش لگانے کی شہرت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ”مقبولیت“ کا یہ حال ہے کہ آزادانہ رائے لی جاسکے تو ان دونوں کو اپنی بیویوں سے بھی اپنے حق میں ووٹ نہ ملیں۔ مشفق خواجہ اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں اس کا انتظار کرتا ہوں۔

[خلیفہ الزماں خاں نامہ انعام الحق چادہ مطبوعہ برکت علی غالب از سید محمد رحمن الرحمن]
طبع اول: ستمبر ۱۹۷۰ء

کوہکن غالب توفیق احمد قادری چشتی

میری پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۲ء محلہ پھیرٹا امر وہہ میں ہوئی میرے حقیقی تائے چچا دپھو بھی نے ہمارے والد اور میری والدہ صاحب میں رسائی نہ ہونے دی۔ ان کو مصائب سے دوچار ہونا پڑا بالآخر میرے باپ نے ہماری والدہ صاحبہ کو نکال دیا۔ وہ اپنے باپ کے گھر آ کر میری پرورش کی۔ اور مجھے تعلیم دلائی۔ میں مسلکی اعتبار سے حنفی مبنی ہوں۔ امر وہہ بازار گزری میں بیٹھل بک ڈپو کے نام سے دکان کر لی۔ جو بہ ظلیل دیوان غالب بنظ غالب تمام دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ یہ فرم آج بھی قلمی دناور کتب کا کاروبار بڑے پیمانے پر کرتی ہے۔ (۱۹۷۸/۱۲/۸ امر وہہ ہند) [غیر مطبوعہ مراسلت توفیق چشتی کی]

(۱)

[الفائدہ]

National Book Depot

Printed Rare Books Manuscript

Books

Documents And Antique Art Dealer,

AMROHA (Moradabad) UP

جناب بھائی رکھیں امر وہہ صاحب

السلام۔ بکھور رحمۃ اللہ دیرکات

عرض یہ ہے کہ میں ۱۹۵۸ء سے امر وہہ میں قلمی کتب و شاعری فرمان کی خرید و

فردخت کرتا ہوں۔ میری دکان بازار گزری میں ہے۔ جس کا نام ”شیشل بک ڈپو“ ہے۔ بہر صورت ۱۱۵ اپریل ۶۹ء کو دیوان غالب کا خطوط جو کہ خود مرزا غالب خود نوشتہ ہیں۔ ۱۳۳۱ھ کا ہے۔ جس کے کل ورق ۶۳ ہیں اور صفحات ۱۳۶ ہیں۔ اس سلسلے میں ہندوستان میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے حوالے سے تمام ہندوستان کے اخبارات میں علاوہ بیرون ہند میں انگریزی اور دو ہندی تمام اہم روزناموں میں یہ خبر شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو سے بھی یہ خبر نشر ہوئی۔ اس خبر نے دنیا بھر اردو ادب میں لہر دوڑا دی۔ اور ہر طرف سے خوشی کے خطوط آنے لگے۔ ڈاک نے مجھے پریشان کر دیا۔ ہندوستان کے مشہور ادیبوں نے اس پر تبصرے شروع کر دیے۔ جس میں صف اول میں عالی جناب حضرت مولانا امتیاز علی عریشی رام پوری کا مقام ہے۔ آپ نے ایک آرٹیکل اس پر لکھا ہے جس کا عنوان ہے ”غالب کا خود نقل کردہ نسخہ دیوان اردو ایک اصول موتی“ دوسرے نو جوان ادیب شبیر عالی جناب ثار احمد فاروقی امر دہوی دہلی کالج دہلی کا مضمون ”ہماری زبان“ علی گڑھ اور اجمیر اخبار میں چھپ چکا ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ پاکستان کے ہر انگریزی اور اردو کے اخبارات میں بھی یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ امر دہہ میں دیوان غالب ملا ہے اس دیوان کا نام ”نسخہ امر دہہ“ رکھا گیا ہے۔ میرے شہر امر دہہ کا نام زندہ رہے۔ میں نے اپنے نام منسوب کرنے کے بجائے امر دہہ کے نام منسوب کر دیا ہے امر دہہ کو میرے نام پر فضیلت ہے۔ ثار احمد فاروقی صاحب کا ایک مضمون پچ مع فنو رسالہ ”آج کل“ جو کہ سنٹرل گورنمنٹ آف انڈیا نئی دہلی سے نکلا ہے اس میں ماہ مئی میں شائع ہو گیا ہے۔

یہ بات باعث فخر ہے کہ امر دہہ کو یہ شہرت نصیب ہوئی اس سلسلے میں آپ سے مدد چاہتا ہوں کہ پاکستان کے اردو انگریزی اخبارات کی وہ کنگ جس میں دیوان غالب خطوط کا ذکر ہو روانہ کریں۔ میں ان تبصروں کو اور اخبارات کی تمام کنگ کو شائع کروں گا۔ آپ امر دہہ کی مشہور ہستی جو کہ برصغیر ہندو پاک کے شعراء کی روح رواں ہیں اور غالب

سے بے پناہ عقیدت کی بنا پر میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے
تھوڑا وقت ان تمام اخبارات کی کٹنگ جو کہ غالب کے دواخانہ مخطوط کے خعلق ہو روانہ فرما کر
شکریہ کا موقع دیں گے۔ میں نے اس نسخہ کا نام ”نسخہ امروہہ“ رکھ دیا ہے۔

نظر والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

۱۹/۵/۶۹

نوٹ: میں اپنا نوٹ بھی روانہ کر رہا ہوں۔

[نقل مطابق اصل ہے۔ دیکھیں کا حاشیہ یہ ہے] ”یہ خط غالب کے امروہہ دواخانہ
نسخہ امروہہ کے بارے میں ہے۔ ”نسخہ امروہہ“ کے متعدد جات (برائی غریبیں ہیں
پانچ۔ مطلوبہ یا غیر مطلوبہ) کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اس خط کو حفاظت سے
رکھیں۔ اس کے بقول۔ یہاں چند اصحاب نے لی ہیں مثلاً خادم بیجا پوری اور مسلم
نیپالی اور ایبٹ قادری وغیرہ۔ غالب اس کی مزید نقل و نکار ہوں گی۔

رکھیں۔ ۶۹/۶/۶۹۔

(۲)

[کارڈ]

۷۸۶

۱۳/۶/۶۹

عالی جناب دیکھیں صاحب امروہوی

السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ مورخہ ۱۵ جون ۶۹ء کا تحریر کردہ الفاظ مع جگہ تراش جس میں میرا

فوتو آپ کے حوالے کے ساتھ شائع ہوا ہے مورخہ ۱۱۲ جون ۶۹ء کو وصول ہوا۔ نام صاحب نے آپ کا ذکر خیر بھی کیا ہے کہ حضرت مولانا امتیاز علی عیسیٰ کا مضمون رسالہ نقوش پاکستان پہنچ چکا ہے یہی مضمون نئی دہلی کے رسالہ ”آج کل“ ۱۴ جولائی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا ہے۔ ۱۴ جون ۶۹ء میں ڈاکرا احمد فاروقی دہلی کا کالج دہلی انجیری گیٹ کا ہے اور جولائی میں حضرت مولانا کا۔ میرے پاس دفتر آج کل سے خط ہے کہ ۱۲۵/۱۲۳ کو جون ۱۹۶۹ء جولائی ۶۹ء کے دونوں شمارے ایک ساتھ اشو ہوں گے میں انشاء اللہ آپ کو ڈاکرا احمد صاحب کا مضمون اور قبیلہ کا مضمون بھی بذریعہ ڈاک فوری ارسال خدمت کروں گا دونوں کا پیاں اسی وقت ارسال کروں گا۔ ایک کام آپ کریں۔ آل احمد سرور ایڈیٹر ہماری زبان علی گڑھ کو خط لکھ دیں کہ حسب ذیل تاریخوں کے رسالے مجھے روانہ کر دیں۔ ۱۳۲/۱۳۱ اپریل ۶۹ء یکم مئی ۶۹ء یکم جون ۶۹ء ان شماروں میں نسخہ امروہہ کے بارے میں مضامین ہیں۔ ڈاکرا احمد فاروقی طالب عباس صفوی اکبر آبادی ایوب محمد عمر صاحب بھوپالی ڈاکرا احمد صاحب اکبر علی خان فرزند مولانا امتیاز علی مرثیٰ احمد لاہوری صاحب ۱۸ جون کا شمارہ بھی۔

نقشہ والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

۱۳۱/۹/۶۹

[تفہیم ریخس امروہوی]: _____ ”میں نے نسخہ غالب کی قیمت پانچ لاکھ طلب کی ہے پانچ لاکھ“ _____

(۳)

[کارڈ]

۷۸۶

مکرمی ربیکس امرودہوی صاحب

۱۵/۶/۶۹

سلام مستنون

آپ کا غلوں نامہ جس پر تاریخ تحریر درج نہیں مورخہ ۱۳/ جون ۶۹ء M.A کی ڈاک سے وصول ہوا۔ جنگ کا تراشہ بھی دیکھا میں نے سنا ہے کہ پاکستان ہندوستان کے درمیان مطبوعہ کتب و رسائل کی آمد و رفت ممنوع ہے۔ میں چاہتا تھا کہ کچھ رسالے جس میں نسو امرودہ پر مضامین ہیں ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کرنا ہے۔ اگر کوئی صاحب امرودہ سے پاکستان آنے ہوں تو ان کے ہاتھ وہ تمام چیزیں روانہ کر دو۔ ماہ جون ۶۹ء کے رسالہ ”آج کل“ میں نثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون ہے۔ ماہ جولائی ۶۹ء رسالہ آج کل میں ہی مولانا امتیاز علی مرثی کا تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے ان کو کس طرح روانہ کروں اس کے بارے میں تحریر کریں۔

نظا والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

(۳)

[کارڈ]

۶۸۷

۹۲

۱۵/۷/۶۹

جناب سید محمد مہدی ربیکس امرودہوی صاحب

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ آپ کا غلوں نامہ مورخہ ۱۷ جولائی ۶۹ء کا تحریر کردہ مورخہ

۱۱۳ جولائی ۱۹۶۹ء کو ملا۔ یاد آوری کا دل سے شکریہ۔ آپ کا بھیجا ہوا تراشہ جنگ ملا۔
 مکمل فوس اس پر تاریخ طاعت و ریح نہیں مطلع کریں۔ میں نے عالی جناب و نامہ پتہ پوری
 کے نام ”آج کل“ شمارہ جون ۱۹۶۹ء کی کنگ جس میں ڈاکٹر احمد فاروقی صاحب کا مضمون
 ہے روانہ کئے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔ آج مورخہ ۱۱۳ جولائی ۱۹۶۹ء کو آج کل کا وہ شمارہ
 بھی آ گیا ہے۔ اس میں حضرت مولانا اقیانوس علی رضی کا مضمون تفصیلی چھپ کر آ گیا۔ میری
 ممبری کا پی آئی ہے۔ مزید دس کاپیاں آتے ہی اس کی کنگ فوراً آپ کو روانہ کروں گا۔
 ہمارے مکرم و محترم ادیب مسلم ضیائی صاحب و نامہ پتہ پوری صاحب اور دیگر اہل علم کام میں
 لائیں۔ آپ ہماری زبان کا کوئی شمارانہ منگا نہیں ان میں کوئی خاص بات نہیں۔ یہ دو مضمون
 معرکہ آرا ہیں ان میں سب کچھ ہے۔ ہماری زبان میں صرف آپ کی بحث بازی ہے۔
 ان شاء اللہ جلد روانہ کروں گا۔ اس سال امر وہ میں آموں کی فصل اچھی نہیں رہی۔ غالب کی
 روح امر وہ آتی ہے۔ ان کا دل ان بھی وہاں سے روشن ہوا۔ جہاں کے آم مشہور ہیں بعد
 مرنے کے ان کی روح نے امر وہ کو نوازا ان کی روح کو میرا صدمہ صدمہ سلام۔

نقد و السلا

توفیق احمد قادری چشتی

مجھے دو سنڈے سائڈ لیٹرن کی ضرورت ہے جس میں جمال الدین صاحب کا مضمون
 چھپا ہے جلد روانہ کرو۔ امر وہ کا نام زندہ و اور ہو۔ پاکستان ریڈیو سے اس پر تبصرہ کرو تا کہ
 میں بھی سن لوں۔

[نقل مطابق اصل ہے]

(۵)

[کارڈ]

۱۷/۷/۶۹

لیجے رئیس امرد وہوی صاحب۔ خوشخبری سنئے۔

آج مورخہ میں ۱۷ جولائی ۱۹۶۹ء رات ۱۲ بجے والی گاڑی سے دہلی کو جا رہا ہوں اور دیوانہ غالب منظر عام آ رہا ہے میرے امرد وہکا نام زندہ تو تھا ہی مگر اب غالب صاحب کی وجہ سے اور اونچا ہوا۔ یہ بستی بزرگان ہیں یہاں کی سر زمین میں سید شرف الدین آرام فرما ہیں۔ اب فکر یہ ہے کہ آپ کو کس طرح روانہ کریں اس دیوان کو عالی جناب مولانا امتیاز علی صاحب کے صاحبزادے اکبر علی خاں صاحب نے مرغب کیا ہے جو مولانا کے خلوص نے مجھے اس بات پر راضی کر دیا کہ میں اس فتنے امرد وہکا مولانا کے مبارک ہاتھوں سے چھپے آپ اہل ادب کو مبارک باد دیتا ہوں کہ یہ دیوان جلد آ گیا۔ اہل علم کی دلی خواہش تھی کہ اس کو جلد چھپ جانا چاہیے۔ یہ خط رات کے ۱۲ بجے لکھا گیا ہے۔ ۱۷ جولائی ۱۹۶۹ء مقام اشٹمان امرد وہ ہے۔

فقط والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

۱۷/۷/۶۹

_____ ”میں قسمیں خط روانہ بھی نہ کرنے پایا تھا کہ ایک نسخہ امرد وہکا

دوسرا کارڈ ملا۔ سال ہے۔ رئیس ۱۲۳ جولائی ۱۹۶۹ء _____

[یہ خطاب مرغب یعنی انہیں سے رئیس کا ہے۔ نقل مطابق اصل ہے۔ انہیں

[۷/۱۳/۸



اس طرح دیوانہ حمید یہ غالب ۱۸۲۱ء کا نسخہ نواب بھوپال کی لائبریری سے نکلا۔

بقول عبدالقوی دہلوی نواب صاحب کی لائبریری سے نسخہ حیدر لاپتہ ہو گیا تھا۔ ۱۷۱
 اپریل ۶۹ء کو خیر جمعی کے مرزا غالب کی خودنوشت غیر مطبوعہ بیاض اور مردہہ خلیج مراد آباد
 کے توفیق احمد قادری کے پاس موجود ہے۔ اس کی قیمت انہوں نے چھ ہزار روپے مانگی۔
 کچھ عرصے کے بعد بیاض کے عکس شائع ہو گئے۔ جب توفیق احمد صاحب سے پوچھا گیا کہ
 یہ کتاب کہاں سے ملی تو انہوں نے انہوں نے بتایا کہ ۱۱۵ء اپریل ۱۹۶۹ء کو بھوپال سے یہ میں
 نے گیارہ روپے میں خریدی۔ انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ کتنی اہم کتاب ہے۔ رضا علی
 عابدی نے حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے بھوپال کے محمود حسن صاحب سے پوچھا کہ یہ
 توفیق احمد صاحب کو دیوان کس نے دیا۔ انہوں نے کہا کہ کسی پٹھان کھاڑی نے یہ نسخہ انہیں
 دیا۔ شفیق الحسن صاحب جنہوں نے توفیق احمد صاحب کو کتاب دی تھی بھوپال کی مسجد میں
 عابدی صاحب کو ملے۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں نے ایک اور کتاب گیارہ روپے میں دی
 جس کے اندر وہ بیاض غالب چھپا کر لے گئے اور مخطوط انہیں عاریتا اور مالیا دیا گیا تھا کہ
 برائے فروخت۔

توفیق احمد سے جب پوچھا گیا کہ نسخے کا اصلی مالک کون ہے تو وہ تسلی بخش جواب
 دے سکے۔ مولانا عرشی اعتبار علی کے صاحبزادے اکبر علی خان کوئی تیس سال سے غالب
 کی نگارشات جمع کر رہے ہیں۔ رام پور میں عابدی صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ نسخہ
 واقعی غالب کے خط کا تھا اور یہ کہ نسخہ آپ کے کیسے ملا۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ نے کہا کہ میں
 نے امر وہہ جاکر توفیق احمد سے نسخہ دیکھا اور اس کے نوٹس تیار کیے۔ بھرم نے چاہا کہ اسے
 شائع کر دیں۔ بہر حال پانچ مہینے کے بعد یہ نسخہ عرشی زادہ کے نام سے ۳۰۰ کی تعداد میں
 شائع ہوا۔ انہی دنوں لاہور کے محمد ظہیر نے ”نقوش“ میں بھی چیز چھاپ دی۔ اس دوران
 میں اصل نسخہ غائب ہو گیا۔ توفیق احمد نے کہا کہ عرشی زادہ کے قبضے میں ہے۔ انہوں نے کہا
 کہ میں صحیح طور پر نہیں جانتا سکتا۔ میں نے ایک کار کے ذریعے نسخہ بھیجا۔ ہندوستان میں ایک

بات شائع ہوئی کہ کسی نے ہماری رقم لے کر کھان کے لطیف الزماں خاں کو وہ نسخہ دیا جنہوں نے راتوں رات محمد طفیل کو دے دیا اور انہوں نے چھاپ دیا۔ دہلی میں کس بنانے والے سے ۶۱ صفحات خریدے اور یوں محمد طفیل نے اسے چھاپ دیا۔ بعض محققین نے اسے جعلی قرار دیا۔ خود مضامین عابدی کا بھی یہی خیال ہے۔ لطیف الزماں نے کہا کہ میں نے کالی داس گپتا کو خط لکھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ جعلی نہیں ہے۔ بقول عابدی اب نامعلوم یہ کس کی تاریک الماری میں بند ہے اور شاید ہمیشہ بند رہے گا۔

[مطبوعہ ماہنامہ "ماہنامہ لاہور" جنوری ۱۹۸۵ء "کتاب خانہ" از: صاحب زادہ

محمد اظہار علی]

دیوان غالب بخط غالب

ژوداوا شاعت

لطیف الزماں خاں

کہا جاتا ہے کہ دیوان غالب بخط غالب ۱۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء کو توفیق احمد قادری امر دہلی نے بمبائ کے ایک کتب فروش شفیق الحسن سے گیارہ روپے میں خریدا اور ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو روزنامہ "الجرحہ" دہلی میں اشتہار دیا کہ اس کے پاس غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان موجود ہے اور اس کی قیمت چھ ہزار ہے۔ ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو ہندوستان میں شائع ہونے والے کئی زبانوں کے اخبارات میں بڑی تفصیل سے یہ خبر شائع ہوئی کہ غالب کے قلم سے لکھا ہوا مسودہ جس میں تقریباً ایک ہزار اردو غزلیات "۱۳ فارسی کی اور گیارہ ہا سمیات اردو کی موجود ہیں" دریافت ہوا ہے۔

میں نے اپنے ایک عزیز کو جو دہلی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ "میرے لیے دیوان

غالب بظہر خرید لیں۔" میرے تاجر پیشہ عزیز نے سوچا کہ غالب کا دیوان تو چھ آنے میں ملتا ہے چھ ہزار میں کیوں خریدا جائے انہوں نے یہ دیوان نہ خریدا اور وقت گزر رہا تھا۔

اکبر علی خاں اور ثار احمد فاروقی دونوں ہی اس نو در یافت دیوان سے مالی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دونوں حضرات اپنے راستے سے دوسرے کو ہٹانا چاہتے تھے۔ ایک اطلاع کے مطابق دونوں دہلی کے کسی ہوٹل میں یکجا ہوئے۔ اکبر علی خاں نے کہا "تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ" یہی بات ثار احمد فاروقی نے اکبر علی سے کہی۔ فاروقی یہ کہے ہوئے تھے کہ ان کی پوزیشن زیادہ مضبوط ہے کہ وہ بقول عابد رضا بیچارہ اس سے "استفادہ" کر چکے تھے یعنی فوٹو سٹیٹ بنوا چکے تھے۔

میں ایک روز لاہور گیا۔ میرا قیام طفیل مرحوم (مدیر نقوش) کے گھر ہوتا تھا۔ اکثر پروگرام یہ بنتا کہ سہ پہر کو ہم دونوں کسی ایسے رستوران میں جا بیٹھتے جہاں خورد نہ ہوتا۔ ہنگامہ آرائی بے کار بحثوں میں الجھے ہوئے لوگ نہ ہوتے بلکہ نہنٹا سکون ہوتا۔ واپس پر ہم گھر جاتے اور کھانے کے بعد دیر تک گپ ہوتی۔ اس دن طفیل صاحب دن بھر مفہوم ہے۔ سہ پہر کو کہیں نہ گئے۔ گھر پہنچے۔ کھانا کھایا۔ رات گزرتی رہی لیکن طفیل صاحب نے بات کر کے نہ دی۔ جب رات کے دو بج گئے تو میں نے مرحوم سے کہا "قصور نہ بتائیے صرف معاف کر دیجئے۔" میرا خیال تھا ماٹنگھی میں مجھ سے کوئی طفلی سرزد ہوئی ہے۔ طفیل صاحب نے نگلیہ کے نیچے سے ایک خط نکال کر دیا۔ یہ اکبر علی خاں کا خط تھا۔

مطمون ہوا کہ طفیل صاحب نے مرثی صاحب یا اکبر علی خاں کو خط لکھا تھا کہ وہ دیوان غالب بظہر شائع کرنا چاہتے ہیں اس کا جواب یہ ملا کہ اگر دیوان شائع کرنا چاہتے ہو تو لاہور میں ملاں حکیم صاحب کے پاس شرائط نامہ ہے اسے پڑھو اور شرائط منظور ہوں تو "دیوان غالب بظہر غالب" شائع کر سکو گے۔

میں نے خط پڑھ کر کہا "یار طفیل صاحب آپ کی خاموشی نے تو میرا دم ہی نکال

دیا تھا۔ صبح سے چپ سا دھڑکی ہے بول کر نہیں دیتے، ہٹائے اس خط کو میں آپ کو یہ دیوان فراہم کروں گا۔ ”طفیل صاحب کہہ رہے تھے۔“ میں نے ساری عمر عرشی صاحب کی خدمت کی۔ اکبر علی خاں کو کتابوں کے علاوہ روپے بھی بھیجتا رہا ہوں اور دیکھو کیا روکھا جواب دیا ہے۔“

اکبر علی خاں کا یہ خط طفیل صاحب کے کاغذات میں اب بھی محفوظ ہے۔

میں نے طفیل صاحب سے پوچھا ”آپ نے نثار احمد فاروقی کو کیوں نہیں لکھا۔ وہ تو آپ کے زیادہ قریب ہیں۔“ کہنے لگے ”وہ صرف روپے کے قریب ہے۔ اسے صرف روپے سے پیار ہے۔ نہ کسی انسان سے نہ کسی اور چیز سے۔ یہ طالب علم تھا۔ کسی لائبریری میں ٹکرک تھا۔ میں نے غریب جان کر اس کی مالی مدد کی لیکن مجھے بہت بعد میں اعزاز ہوا کہ وہ انتہائی حریص انسان ہے۔“

جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے دیوان غالب بخیر غالب نہیں خریدے تو میں نے انہیں نہایت سخت اور درشت لہجے میں خط لکھا۔ وہ دلی گئے۔ تین دن کی تلاش جستجو کے بعد وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی خاں نے دیوان غالب کے فونو اسٹیٹ بنوائے تھے اور اسے ایک پیسہ نہیں دیا تھا۔ فونو گراف کو اخبارات سے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ قیمتی چیز ہے۔ اس نے تریسٹھ صفحات کے فونو اسٹیٹ رکھ لیے۔ ان صفحات کو میرے عزیز نے منہ مانگے داسوں خرید لیا اور ایک بڑی بی کے ساتھ مجھے بھیج دیا۔

جب فونو اسٹیٹ مجھے ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن طفیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ میں یونیورسٹی اور ٹیلی کالج لاہور سید سجاد باقر رضوی صاحب سے ملے چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی تشریف فرما تھے۔ باقر صاحب نے مجھے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا:

”دلدار بھائی یہ غالب کا دیوانہ ہے۔ اس کی اچھی کھولے۔ ضرور

غالب پر کوئی تحریر ملے گی۔ ہم جنہیں ہنستے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد
میں اور فرمان صاحب اسٹیشن کے لئے ٹانگہ میں سوا ہوئے۔ راست
میں فرمان صاحب نے پوچھا ”کیا باقر صاحب کا اندازہ ٹھیک ہے؟“
کیا انہی میں غالب پر کوئی تحریر ہے؟“

میں نے انہی میں سے لغاتہ نکالا اور ”دیوانہ غالب بخاطر غالب“ کی فوٹو اسٹینٹ
کا بچاں دکھلائیں۔ وہ بہت حیرانی اور استحباب سے ان اور اسی کو دیکھتے رہے۔ باقر صاحب
کو رادوی اور پوچھا ”اب کیا ارادہ ہے؟“ میں نے ان سے کہا کہ میں نے طفیل صاحب سے
وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوانہ فراہم کروں گا وہی اسے شائع کریں گے۔ پاکستان میں میرے
بعد فرمان صاحب پہلے انسان ہیں جنہوں نے ”دیوانہ غالب بخاطر غالب“ کی فوٹو اسٹینٹ
دیکھنے۔

میں نے دوسرے دن طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا اور اطلاع دی کہ ”جس چیز کی
آپ کو تلاش تھی وہ آگئی۔“ کہنے لگے ”یار کیوں مذاق کرتے ہو۔“
میں نے کہا ”کیا مذاق کرنے کے لئے آپ ہی رہ گئے ہیں۔“
طفیل صاحب ”کیا واقعی۔“
میں نے کہا ”قطعی۔“

طفیل صاحب ”تم آتے ہو یا میں آؤں؟“

میں نے عرض کیا ”آپ ہی آئیے میں تو کل ہی واپس آیا ہوں اور ہر روز چھٹی
نہیں مل سکتی۔“

طفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا کہ طفیل
صاحب کے ساتھ وہ بھی کھانا تناول فرمائیں جو حضرات بی ۱۳۹۱ کی گھٹ نمان میں جمع
ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ پروفیسر نذیر احمد شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج ملتان (اب ڈپٹی سیکرٹری اسٹیٹسٹکس، ڈویژن حکومت پاکستان)۔

۲۔ مسعود اشعر ریڈیٹنٹ اوڈیر امرتسر ملتان (اب ریٹائرڈ۔ ۱۳۔ رچنا اقبال
لاہور۔ ۱۸)

۳۔ سلطان صدیقی ایڈووکیٹ ملتان۔

۴۔ ایک یونیورسٹی کلرک

طفیل صاحب بڑے بے چین تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ”دیوان غالب بخیر غالب“ کا تو بہانہ ہے بس میں نے انہیں بلایا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد چاروں حضرات کی موجودگی میں وہ لفافہ ان کے سامنے رکھ دیا جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔ تھوڑی دیر تک جب بغور دیکھ سکے تو بولے ”آپ دس ہزار روپے لے لیجیے۔“ میں نے کہا ”طفیل صاحب آپ نے میرا دل دکھایا ہے۔ اگر دس ہزار روپے خرچ کرنا چاہتے ہیں تو پھر دئیے سے منگائیے اور اگر یاری ہے تو لے جائیے۔“

تھوڑی دیر کے بعد یونیورسٹی کلرک نے مجھے کمرہ سے باہر بلایا اور ارشاد فرمایا ”آپ دس ہزار روپے لے لیں آپ یہی مکان خرید لیں۔ طفیل صاحب تو اس سے لاکھوں کمانے گا۔“

میں نے کہا ”میں اگر طفیل صاحب سے یہ رقم لے لوں تو پھر وہ جی تو نہ ہوئی تجارت ہوئی۔ مجھے یاری عزیز ہے نہ نہیں۔ یہ مشورہ آپ اپنے پاس رکھیں۔“

طفیل صاحب بہت خوش تھے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی پھر وہ گویا ہوئے ”یار لطیف صاحب! جب سے میں نے نقوش کی ادارت سنبھالی ہے کسی کو اس میں شریک کار نہیں بنایا۔ یہ بیاض نقوش میں شائع ہوگی اس شمارہ پر تمہارا بھی نام ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ ”نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ آپ کے نام کے حروف کیا ہیں

ط۔ف۔ی۔ل۔ انہی حروف کو اس طرح کئے لیے ہیں ل۔ط۔ی۔ف۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو کام آپ کر رہے ہیں میں ہی کر رہا ہوں۔ آپ میرا نام شائع نہیں کریں گے۔۔۔ جب چاروں حضرات جانے کے لئے اٹھے تو خدیوہ صاحبہ نے آہستہ سے کہا ”یہ کلرک ہمارے کیڑے کا آدی نہیں ہے اسے آپ نے کیوں بلایا؟“

میں نے کہا ”یہ سر کی کامریض خود چلا آیا ہے۔ میں نے تو نہیں بلایا۔ گھر آئے ہوئے کو درحکام نہیں دیا جاسکتا۔“ اب میں اور طفیل صاحب پھر باتیں کرنے لگے ”خط شکستہ کو پڑھے گا کون؟ طفیل صاحب نے پوچھا ”مولانا نظام رسول تھراور پر و فیروز برائمن عابدی دونوں زندہ تھے۔ دونوں جید عالم تھے مگر صاحب ضعیف تھے پھر بھی کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے تھے۔ عابدی صاحب ہر کام میں اتنی دیر کرتے تھے کہ اس کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی تھی۔ اس میں شک نہیں وہ بڑے محقق تھے لیکن طفیل صاحب تو جلد سے جلد دیوان غالب بخظ غالب کو شائع کرنا چاہتے تھے۔

میں نے کہا ”اس کو میں خوش خط لکھ دوں گا۔ آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے۔“

یہ لکھ چکا ہوں کہ ڈاکٹر احمد فاروقی ”دیوان غالب غلط غالب“ سے استفادہ کر چکے تھے یعنی اس کے فوٹو منیٹ انہوں نے حاصل کر لئے تھے۔ میں موصوف کی کتاب تلاش غالب ”کتابیات لاہور سے شائع کروا رہا تھا۔ اپریل سن ۱۹۶۹ء کے آخری ہفتہ میں ان کا مضمون ”دیوان غالب نسخہ امر وہ“ براہ راست جلیشر ولید میر کو پہنچا اس ہدایت کے ساتھ کہ اسے کتاب میں لازماً شامل کیا جائے۔ مضمون کے علاوہ دیوان غالب بخظ غالب کی تین غزلیات فاروقی صاحب نے بھیجی تھیں۔ کتاب عجب میں گوڈریج وچر پر شائع ہوئی تھی۔ کتابیات لاہور کے منتظم ولید میر کو ضروری ہدایات دینے میں لاہور گیا۔ ولید میر نے وہ صفحہ کتاب میں شامل کیا جس پر تر تیر لکھا ہوا ہے۔

ایک دن طفیل صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ وہ تلاش غالب میں "دیوان غالب بخیر غالب" کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں جس میں دیوان غالب شائع ہونے والا تھا۔ ظاہر ہے نثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ "تلاش غالب" میں چھپوا رہا تھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھیج چکے ہیں۔ میں فوراً لاہور پہنچا۔ طفیل صاحب اس زمانہ میں گڑھی شاہو میں ایک کرایہ کے مکان کی پہلی منزل میں رہتے تھے اور گراؤنڈ فلور پر ان کے بھائی محمد اکرم فروکش تھے۔ بعد مطرب طفیل صاحب مجھے اپنے کمرے لے گئے اور یہ کہہ کر اپنی بیگم صاحبہ سے تعارف کرایا "بھئی وہ صاحب ہیں جنہوں نے دیوان غالب کے فوائد دیے ہیں"۔ یہ الفاظ انہوں نے پنجابی زبان میں کہے تھے اور مجھے ترجمہ سنایا تھا۔

نوبے شب میں اور طفیل صاحب ولید میر کی تلاش میں جنگڑا محلہ پہنچے۔ لاہور میں دوسرے ہی کے نزدیک یہ محلہ باد ہے۔ گندہ پانی ٹالیوں سے بہتا رہتا ہے۔ ہر طرف غلاعت، چھوٹ چھوٹی گلیاں، مکان تاریک کمرے تاریک تر کمروں میں روشنی کا گزر نہ ہوا کا۔ سیلن اور عجیب نو۔ یہ تھا ماحول جب میں اور طفیل صاحب ولید میر کے کمر پہنچے تو وہ قاصد تھے۔ میں نے طفیل صاحب سے کہا "آپ کمر چاہئے میں مضمون لے کر ہی آؤں گا"۔ میں اس بدبودار کمرہ میں بیٹھا رہا۔ کچھ نو جوان تاش کھیل رہے۔ صبح پانچ بجے ولید میر آئے۔ معلوم ہوا جو ان کبیرے ڈانس دیکھنے گیا تھا اور اب غینہ میں جھوم رہا تھا۔ "سر آپ گیارہ بجے آجائیں میں آپ کو مضمون دے دوں گا"۔ کتاب شائع ہو چکی تھی۔ اور جلد بندی کے لئے اسکیمپٹہ اعظمیہ پریس ٹاؤن ایک روڈ لاہور میں پڑی تھی۔ جب میں اور ولید میر وہاں پہنچے تو ایک مولانا سے واسطہ پڑا جو ہفتہ پندی میں ہر انچا کو بھلا گئے ہوئے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب تک ان کا وہ ہزار روپیہ ادا نہ کیا جائے گا وہ ایک صفحہ بھی نہیں لے جانے دیں گے۔ میں نے فوراً یہ رقم ادا کی اور رسید سید باقر رضوی کے نام بخوانی کہ کتابیات

لاہور کے مختتم اعلیٰ دینی تھے۔ ولید میران کا شکر د تھا۔ ”علاش غالب“ کی اشاعت کے تمام اخراجات میں نے برداشت کئے ڈسٹ کوڑھیل صاحب نے شائع کیا تھا۔

اس طرح ڈار احمد فاروقی کا مضمون ”دیوان غالب : نسخہ امرودہ“ حاصل کیا۔ رات کو حسب معمول میں اور طفیل صاحب دیر تک باتیں کرتے رہے۔ حسب معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے نیز یہ کہ وہ پورے دیوان کے حواشی لکھ چکے ہیں وہ بھی شامل اشاعت ہوں۔ ڈار احمد فاروقی کے قلم سے لکھا ہوا وہ رجسٹر جس میں حوالے اور حواشی لکھے گئے ہیں اب میرے پاس محفوظ ہے۔

ڈار احمد فاروقی صاحب بڑے ہا کمال انسان ہیں۔ ان کے کمالات بیان کرنے کے لئے کئی حضرات کئی کتابیں لکھ سکتے ہیں۔ جب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ دیوان غالب بخیر غالب کے فوٹو سٹیٹ طفیل صاحب کو مل گئے ہیں تو ایک جانب انہوں نے اپنا مضمون ”دیوان غالب : نسخہ امرودہ“ اور حوالے و حواشی کی نقوش میں اشاعت کے لئے طفیل صاحب کو آمادہ کر لیا دوسری جانب مجھ پر بھی کرم فرمایا۔ فاروقی صاحب ایسی منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ آئندہ جو قدم ان کا اٹھے گا وہ کیا ہوگا اور جو قدم وہ اٹھا چکے ہیں اس کا مقصد و منشا کیا ہے۔

میں نے ایک روز طفیل صاحب سے کہا ”چلئے سن آباد میں حکیم صاحب سے مل آئیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اکبر علی خاں کی کیا شرائط ہیں۔“ ہم دونوں حکیم صاحب کے ہاں پہنچے۔ حکیم صاحب کا نام تو میں بھول گیا ہوں لیکن ان کے صاحبزادے کا نام ہانا ڈاکٹر صغیر احمد تھا۔ حکیم صاحب کرسی پر دراز تھے۔ بالکل سفید بال لباس بھی سفید ان کے مزاج کا انداز اس بات سے لگا ہے کہ شرائط نامہ خود تھے رہے۔ میں جبکہ کراسے پڑھنے کی کوشش کرتا رہا اور طفیل صاحب حکیم صاحب کو دیکھتے رہے۔ میں نے طفیل صاحب کو لہجہ کا دیا

کراخیں اور چلیں۔ دروازہ سے نکلے ہی میں نے کہا ”ہم ایک آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں اور پھر یہ کہ غالب اکبر علی خاں کے نام اپنا دیوانہ کے میں نہیں چھوڑ سکے۔“

واپسی میں طفیل صاحب اپنے ایک افسانہ نگار دوست صادق حسین صاحب کے گھر لے گئے۔ صادق صاحب ’طفیل بھائی کے مشیر قانون ہیں۔ میرا تعارف انہوں نے ان الفاظ میں کرایا ”لطیف الزماں خاں میرے دوست انہوں نے دیوان غالب بھٹو کے فوٹو سٹیٹ فراہم کئے ہیں۔“ طفیل صاحب کا خیال تھا کہ ”دیوان غالب بھٹو غالب“ کی اشاعت سے کوئی قانون کی پیچیدگی نہ پیدا ہو جائے اور دونوں ممالک کے تعلقات جو اب بھی ہمیشہ ہی خراب رہتے ہیں مزید خراب نہ ہو جائیں۔

میرا خیال ہے کہ جو سرمایہ کسی بھی شکل میں طفیل صاحب کے پاس اس زمانہ میں موجود تھا اگر وہ سب کا سب اکبر علی خاں کو دے دیتے تب بھی شرائط پوری نہیں کر سکتے تھے۔ اگر حکیم صاحب سے وہ شرائط نامہ حاصل کر کے شائع کروایا جائے تو یہ اعزاز ہو سکتا ہے کہ اکبر علی خاں نے دیوان غالب بھٹو غالب“ سے کیا کچھ حاصل کرنے کا پلان بنایا تھا۔ میں نے کہا ”آپ دیوان غالب بھٹو غالب“ شائع کیجئے تمام تر ذمہ داری میری ہے“ صادق صاحب میرے ہم نوا تھے۔

طفیل صاحب نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معدود دریافت بیاض غالب بھٹو غالب شمارہ نمبر ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کر چکے تھے۔ ایک روز ڈاکٹر احمد فاروقی کے چچا ابراہیم احمد فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آؤ۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ میں ان کے گھر ۵۶۔ پرانی انارکلی لاہور پہنچا تو ابراہیم احمد فاروقی صاحب نے دیوان غالب بھٹو غالب کے فوٹو سٹیٹ لبر ایک لاسک جس پر غالب کے اشعار معروض رکھے گئے تھے اور جس کی نقل بعد میں لاہور میں کسی نے تیار کی اور انہوں نے چیزیں میرے سپرد کیں۔ ڈاکٹر احمد فاروقی نے لکھا تھا ”اے آپ اپنے نام سے شائع کیجئے مجھے خوشی ہوگی“ جو جال وہ بچھا رہے تھے

میں اس سے بے خبر تھا۔ حضرت کے تمام خطوط محفوظ ہیں ان نوادرات کو کسی وقت شائع کروں گا۔۔۔ وہ الفاؤ بھی محفوظ ہے جس پر امیر احمد فاروقی صاحب کا پتہ لکھا گیا ہے۔

نفوس غالب نمبر (حصہ دوم) مدنوور یافتہ نیاں غالب بخط غالب کا ایک نسخہ طفیل صاحب نے مجھے بھی بھیجا پہلے نسخہ پر لکھا تھا:

”برادرم لطیف الزماں خاں صاحب کی خدمت میں

جن کا عشق

اس نمبر کے چھاپنے میں بہت کام آیا“

محمد طفیل

دوسرے نسخے پر لکھا تھا

”میں نے اچھے اچھے نمبر چھاپے مگر اب تک

اس کی اہمیت سب سے بالا ہے۔“

محمد نفوس

۱۵ جون ۱۹۷۰ء کو دہلی میں پہلی بار ثار احمد فاروقی سے طفیل صاحب کے گھر

پر ملا۔ رات کے دو بجے تک باتیں ہوتی رہیں۔ زیادہ تر گفتگو اکبر علی خاں کے بارے میں

ہوئی۔ حضرت فاروقی ثابت کر رہے تھے کہ اکبر علی خاں ایک سازشی انسان ہے اور یہ کہ

انہوں نے توفیق احمد کو دھوکا دیا۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ خود انہوں نے جو فوٹو سنیت حاصل

کئے کیا توفیق احمد کی اجازت تھی۔ یقیناً ثار احمد فاروقی نے توفیق احمد کو پہلے دھوکا دیا پھر اکبر

علی خاں نے۔

چهار شنبہ ۱۲ جولائی ۱۹۷۰ء کو ثار احمد فاروقی کراچی سے لاہور جاتے ہوئے

ملتان پہنچے۔ میں بھی حیدر گام پر ان کا ہم سفر ہوا۔ ۱۲ جولائی ۱۹۷۰ء کو طفیل صاحب نے تمیں

سوشل شعراء ادباء اور اداروں کی ایک فہرست بنائی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ نفوس کا شمار نمبر ۱۱۳

جس میں ”بیاض غالب بخلم غالب“ شائع ہوئی ہندوستان پہنچ رہے ہیں۔ اس شب کھانا ٹارا احمد فاروقی کے چچا ابراہیم فاروقی صاحب کے ہاں تھا۔ رات کو دیر تک میں طفیل صاحب اور ٹارا احمد فاروقی باتیں کرتے رہے۔ طفیل صاحب نے فہرست حوالے کرتے ہوئے کہا:

”فاروقی۔۔۔ پچاس فیصد تمہارے لئے ہیں۔ اس فہرست میں جن دوستوں اور اداروں کے نام ہیں ایک ایک نسخہ انہیں پہنچا دیتا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر مرحوم نے چائے طلب کی۔ بھابھی چائے لے آئیں اور گفتگو میں شریک ہو گئیں۔ طفیل صاحب نے کہا:

”تم نے حواشی لکھے یہ پانچ ہزار تمہاری محنت اور مضمون کا معاوضہ ہے۔ توفیق احمد ایک غریب آدمی ہے اس نے ابتداء میں دیوانہ غالب کی قیمت چھ ہزار کی تھی۔ یہ چھ ہزار اسے دے دیتا۔ مجھے ایک قرض بھی ادا کرنا ہے۔ جب میں خطوط نمبر شائع کر رہا تھا تو مالک رام صاحب نے مجھے خطوط بھیجے تھے مجھے انہیں بھی کچھ رقم دینی ہے۔ انہوں نے طلب نہیں کی پھر بھی یہ آٹھ ہزار مالک رام صاحب کو دے دیتا۔“

انہیں ہزار روپے طفیل مرحوم نے میری اور بھابھی جان کی موجودگی میں دے۔

جستہ ۱۳۳ جولائی کو میں طفیل صاحب اور ٹارا احمد فاروقی کنڈا سنگھ والا پہنچے۔ یہ

گاؤں پاکستان اور ہندوستان کی سرحد پر واقع ہے۔ بڑے بڑے کریش جن میں نقوش غالب نمبر ۲ نکلتا ہیں اور علاقہ غالب کے تین سو فیصد تھے ٹارا احمد فاروقی نے اتنی آسانی سے سرحد کے اس پار بھجوا دیے کہ میں اور طفیل صاحب دیکھتے رہ گئے۔ پھر فاروقی بھی ہندوستان سرحد میں داخل ہو گئے۔ دو گھنٹے گزرنے کے بعد فاروقی صاحب کی آواز آئی ”جائے۔“

جب ہم لاہور آ رہے تھے تو میں نے طفیل صاحب سے پوچھا ”اتنی کتابیں اتنی رقم قاروقی صاحب کیسے لے جائیں گے؟“ طفیل صاحب نے بڑی سنی خیر ہنسی کے ساتھ کہا: ”اگر دس گنا سنا میں ہوں اور انیس کروڑ روپے ہوں تب بھی ٹارا احمد قاروقی بلا سکے لے جائے گا۔ تم اسے نہیں جانتے۔“

ٹارا احمد قاروقی نے ہندوستان پہنچ کر ایک بھی نسخہ کسی شخص یا ادارہ کو نہیں دیا۔ تمام نسخے تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے فروخت کروئے۔ مجھے نہیں معلوم تو فیض احمد کو چھ ہزار روپے دیے یا نہیں البتہ مالک رام صاحب کو ایک پیسہ نہیں دیا۔ ۱۲۶/ اگست ۱۹۸۳ء کو میں بمبئی سے دلی پہنچا تھا اور پاکستان واپس آ رہا تھا۔ محترم مالک رام صاحب اور محترم ڈاکٹر محمد حسن صاحب دونوں اسٹیشن پر تعریف لائے تھے۔ گاڑی وہاں دو گھنٹے کھڑی رہی۔ دوران گفتگو میں نے مالک رام صاحب سے پوچھا ”کیا آٹھ ہزار روپے ٹارا احمد قاروقی نے آپ کو ادا کر دیے؟“

مالک رام نے کہا ”نہیں مجھے تو انہوں نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا“ تب میں نے انہیں بتایا کہ طفیل صاحب نے خطوط کا معاوضہ بھیج دیا تھا۔ ٹارا احمد قاروقی کو تاکید کی تھی کہ وہ یہ رقم آپ کو پہنچا دے۔ مالک رام صاحب کا جواب ٹہلی میں سن کر نہ ڈاکٹر محمد حسن صاحب کو حیرت ہوئی نہ مجھے۔

جب اکبر علی خاں کا خواب پچھنا چور ہو گیا تو وہ غصہ سے پاگل ہو گئے۔ پہلا کام اکبر علی خاں نے یہ کیا کہ ہندوستانی پارلیا منٹ میں کسی رکن کے توسط سے یہ سوال اٹھوایا کہ ”راجہ ان غالب بنظر غالب“ جو ہندوستان میں دریافت ہوا پاکستان میں کیوں کر شائع ہوا۔ یہ خبر ہمارے ہاں روزنامہ ”جنگ“ میں شائع ہوئی۔ اکبر علی خاں کا خیال تھا کہ یہ کام ٹارا احمد قاروقی کا ہے اور وہ حکومت ہند کے معتب ہوں گے اور ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اکبر علی خاں نہیں جانتے کہ ان کے تو صرف ہاتھ ہیں حضرت ٹارا احمد قاروقی کے تو

ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ٹانگیں بھی لمبی ہیں۔

جب اکبر علی خاں نے دیکھا کہ ان کا یہ دار خالی کیا اور وہ مالی فوائد بھی حاصل نہیں ہو سکے جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے یہ فتواہ اڑادی کہ دینِ غالب بظلم غالب کا اصلی نسخہ پاکستان منسلک ہو گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل نسخہ انہی کے پاس ہے وہ کہتے اور کیسے دیانت دار انسان ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج کل رضا لاہوری رام پور میں بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں سے نہ جانے کتنی قدیم کتابیں اور خطوطِ غالب ہیں۔

میں نے ایک دن ظلیل صاحب سے پوچھا ”آپ نے بیاض غالب (وہ اے بیاض غالب کہنے ہی پر مصر تھے) کے فوٹو منیٹ ڈار احمد فاروقی سے کیوں طلب نہیں کئے تھے؟“

”اکبر علی خاں کا شرائط نامہ تو تم حکیم صاحب کے گھر پڑھ چکے ہو۔ اگر میں فاروقی کو لکھتا تو وہ اس سے سو گنا زیادہ قیمت طلب کرتا۔ میں تو اکبر علی خاں کی ہی شرائط پوری نہیں کر سکتا تھا۔“ ڈار احمد فاروقی کی شرائط کہاں سے پوری کرتا۔ تمہارے سامنے بچاس نئے نقوش کے اور پانچ ہزار نقد دیئے مگر وہ اس سے خوش نہ ہوا ہوگا۔ یہ کسی اور وقت کام دکھائے گا“ اور حقیقت یہ ہے کہ فاروقی نے کام دکھایا۔

جب ظلیل صاحب رسول نمبر شائع کر رہے تھے تو انہوں نے ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر ہوائی جہاز کے ذریعے دلی بھجوائیں۔ کرایہ بھی خود ادا کیا جب کتابیں دلی پہنچ گئیں تو ڈار احمد فاروقی نے انہیں لکھا کہ ”دس ہزار روپیہ اور بھیجو تو مضمون بھیجوں گا اور کھواؤں گا“۔ ظلیل صاحب نے اس مطالبہ کے بعد بھی فاروقی سے بات کرنا بھی پسند نہ کیا۔ مرحوم کو آخری لمحہ تک یہ احساس رہا کہ نقوش جس میں ”بیاض غالب خطِ غالب“ شائع ہوئی وہ اشخاص اور اداروں کو نہیں پہنچا۔ ڈار احمد فاروقی لاہور آئے ضرور مگر

قیام ہوگی میں کیا۔

اکبر علی خاں نے اپنے ظرف کا اظہار اس طرح کیا کہ دیوان غالب بخط غالب کا ایک نسخہ کراچی میں ایک صاحب کو بھیجا۔ اس پر نہایت گھٹیا اور لغو عبارت لکھی۔ اب یہ نسخہ غالب لاہوری میں محفوظ ہے۔ مرزا فقیر الحسن صاحب مرحوم سے گھر جا کر درخواست کی اور کئی خط لکھے کہ وہ نسخہ مجھے دے دیں میں ان کو اپنا نسخہ دے دوں گا مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ وہ طفیل صاحب سے ناراض تھے کہ تبصرہ کے لئے جو کتابیں آتی ہیں وہ غالب لاہوری کو کیوں نہیں بھیجتے۔ طفیل صاحب کا کہنا تھا کہ جو ادارہ غالب کے نام سے منسوب ہے اس میں کتابیں ہی ہونی چاہئیں ورنہ ڈمیر تو ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اس ایک بات سے دونوں کے مزاج کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

سن ۱۹۷۰ء میں سید عارف شاہ گیلانی کی کتاب ”شہنشاہ سخن“ شائع ہوئی اس کے صفحہ ۲۸۱ پر مندرجہ ذیل عبارت ہے:

”برسی کے سلسلہ میں شاعر بے حلق ایک نادر ”نور یافتہ“ کا اضافہ ہوا ہے وہ ہے غالب کے نادر دیوان کی اولین روایت کا قلمی نسخہ جس کو ہمارے شاعر نے ۱۸۱۶ء مطابق ۱۲۳۱ھ میں بقلم خود لکھا تھا اور جس کو شائع کر دینے کا وہ اختار فقا اعلان کرتا رہا۔ اس نسخہ کو ثار احمد فاروقی امر دہوی سے حاصل کر کے محمد طفیل صاحب نے اکتوبر سن ۱۹۶۹ء میں نقوش کے غالب نمبر حصہ دوم میں ادارہ ”فردوس اردو لاہور“ کی جانب سے بعنوان ”نور یافتہ“ یا ”غالب“ بخط غالب“ شائع کیا ہے۔“

گیلانی صاحب اگلے دہائی کے محقق ہیں۔ انہوں نے سنی خانی بات پر اعتبار کرایا تحقیق کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن مندرجہ بالا عبارت چڑھ کر میں نے حضرت ڈاکٹر

ٹارا احمد فاروقی کو لکھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کوئی ایسا لکھتا ہے تو کھینے دو۔ لیکن ہے حضرت صاحب نے میرے خطوط چاک کر دیئے ہوں مگر میں نے ان کی ہر تحریر کو احتیاط سے رکھا ہے اور بعض خطوط تو میں رضا لائبریری رام پور میں محفوظ کرنا چاہتا ہوں تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں اور پرستارانِ غالب کو معلوم ہو کہ حضرت صاحب کے کمالات کیا اور کتنے ہیں۔

حضرت ٹارا احمد فاروقی چہار شنبہ ۱۱ جون ۱۹۷۰ء کو کراچی تشریف لے گئے تھے اور سر شنبہ ۱۲ جولائی ۱۹۷۰ء کو کراچی سے لاہور کے لئے بذریعہ جہاز کام روانہ ہوئے۔ اس دوران حضرت صاحب نے صرف ایک کام کیا کہ کراچی کے ادباء شعراء کو بتاتے رہے کہ ”دیوانِ غالب بخطِ غالب“ کے فوٹو انہوں نے طفیل صاحب کو فراہم کئے ہیں۔ یہاں چار باتیں غور طلب ہیں:

پہلی بات: ہفتہ ۱۶ جون ۱۹۷۰ء کو شام کے پانچ بجے میں طفیل صاحب اور حضرت صاحب جناب عبادت بریلی کے گھر چائے پر مدعو تھے۔ وہاں سے اٹھے تو صوفی قلام مصطفیٰ تبسم کے ہاں پہنچے۔ اس کے بعد وقار عظیم صاحب کے ہاں گئے لیکن حضرت ٹارا احمد فاروقی نے دیوانِ غالب بخطِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ کی فراہمی کے لیے ایک لفظ نہیں کہا۔

(ب) ایک شنبہ ۱۷ جون ۱۹۷۰ء کو محترم حیدر احمد خاں صاحب کے گھر اور وہاں سے نکلے تو راہ میں سلیم اختر مل گئے۔ وہ اپنے گھر لے گئے دبستان کے دو نسخے دیئے باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن حضرت ٹارا احمد فاروقی نے دیوانِ غالب بخطِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ کے سلسلہ میں ایک لفظ نہ کہا۔

(ج) سر شنبہ ۱۹ جون ۱۹۷۰ء کو بھٹی احمد صاحب نے لاہور میں ڈاک پر مدعو کیا۔ میرے علاوہ طفیل بھائی، سید باقر رضوی اور مسعود اشعر (وہ اسی روز بذریعہ ہوائی

جہاز ملتان سے آئے تھے) موجود تھے لیکن حضرت ثار احمد فاروقی نے دیوان غالب بخظ غالب کے فوٹو اسٹیٹ کے بارے میں ایک لفظ نہ کہا۔

(و) سر سید ۱۱۶ جون ۱۹۷۰ء کو شیخ اکرام صاحب مرحوم نے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ میرے علاوہ طفیل صاحب اور جناب حامد علی خاں صاحب بھی موجود تھے۔ بہت دیر گفتگو ہوئی مگر حضرت ثار احمد فاروقی نے دیوان غالب بخظ غالب کے فوٹو اسٹیٹ کی فراہمی کے سلسلہ میں ایک لفظ نہیں کہا۔

دوسری بات یہ کہ لاہور کے پرنٹس کراچی میں مختلف دھڑوں کے دوران حضرت ثار احمد فاروقی ۱۷ جون ۱۹۷۰ء ۲۱ جولائی ۱۹۷۰ء یہ باثر دیتے رہے کہ نقوش غالب نمبر دو میں جو کچھ شائع ہوا ہے وہ ان کا فراہم کردہ ہے۔ کراچی میں حضرت صاحب کا قیام ایک بہت بڑے بیورو کریٹ کے ہاں ہوتا ہے۔

اہل غرض کو کسی نے سمجھا دیا کہ بیورو کریٹ صاحب کی خوش نودی حاصل کرنے کے لئے حضرت ثار احمد فاروقی کی دعوت کی جائے۔ چنانچہ جب تک حضرت صاحب کراچی میں رہے اہل غرض حضرت صاحب کی آڑ میں بیورو کریٹ صاحب کو رام رہے کے لئے دھڑوں کا انتظام کرتے رہے۔ یہ باتیں مجھے کراچی جا کر معلوم ہوئیں۔

سب سے پہلے مشفق خواجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا ”ثار احمد فاروقی کہتے تھے کہ انہوں نے دیوان غالب بخظ غالب کے فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کو فراہم کئے تھے۔“ میں نے خواجہ صاحب کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہا کہ فرمان شیخ پوری صاحب پہلے انسان ہیں جنہوں نے فوٹو اسٹیٹ لاہور میں دیکھے تھے وہ بھی آپ کو صحیح بات بتا سکتے ہیں۔ پھر میں نے ان حضرات کے نام بتائے جن کی موجودگی میں فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کے پردے کئے تھے۔

قیاس ہے کہ کسی دعوت میں سید عارف شاہ گیلانی نے حضرت ثار احمد فاروقی کی

تقریبی اور اعتبار کر لیا اور نہ کراچی کے اہل قلم میں سے کسی ایک نے بھی حضرت صاحب پر اعتبار نہ کیا اور آج تک میرے ناقص علم کے مطابق اس سلسلہ میں ایک لفظ نہیں لکھا۔

تیسری بات یہ کہ حضرت ثار احمد قادری کی کتاب ”علاش غالب“ لاہور سے مئی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی اور حضرت صاحب نے اپریل ۱۹۶۹ء کے آخر میں اپنا مضمون ”دیوان غالب نسخہ امروہہ“ شامل کتاب کرنے کے لیے بھیجا تھا انہوں نے دیوان غالب کے فوٹو اسٹیٹ کی طفیل صاحب کو فراہمی کے سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اگر وہ یہ کہتے کہ نقوش میں عیاض غالب وہ چھپو ارے ہیں تو انہیں ایسا کرنے سے کون روک سکتا تھا۔

علاش غالب کا دوسرا ایڈیشن دلی سے مئی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں بھی ایک مضمون ”دیوان غالب نسخہ امروہہ“ ایک نادر یافتہ نادر مخطوطہ موجود ہے۔ صفحہ ۲۶۵ ملاحظہ فرمائیے۔ دیوان غالب: نسخہ امروہہ کیفیت اور غیر مطبوعہ حکام شامل نہیں ہے۔ اور فہرست میں نسخہ امروہہ کیفیت اور غیر مطبوعہ حکام شامل نہیں ہے۔

اس مضمون میں بھی حضرت صاحب نے ایک لفظ نہیں لکھا کہ نقوش میں دیوان غالب بخظ غالب شائع کر رہے ہیں۔ چوتھی بات: آج تک حضرت ثار احمد قادری نے اپنی کسی تحریر میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ دیوان غالب بخظ غالب کے عکس انہوں نے طفیل صاحب کو فراہم کئے تھے۔ میرے پاس تو ان کی تحریر موجود ہے کہ کس تاریخ کو فوٹو اسٹیٹ انہوں نے میرے لئے اپنے چچا کو بھیجے تھے۔

طفیل صاحب تو حضرت ثار احمد قادری کی پرورش زمانہ طالب علمی سے کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تو براہ راست فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کو بھیج سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ اکبر علی خاں کی طرح وہ بھی طفیل مرحوم سے زیادہ سے مالی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے اور جب انہیں یہ علم ہو گیا کہ طفیل صاحب کو فوٹو اسٹیٹ مل چکے ہیں تو اکبر علی خاں کی طرح ثار احمد قادری کو بھی مایوسی ہوئی۔ حواشی لکھنے اور دریافت کی کہانی

کی گفتی بڑی قیمت انہوں نے حاصل کی اس کا کچھ حال گزشتہ صفحات میں لکھ چکا ہوں۔ اکبر علی خاں نے رام پور میں سر پھر کو چھپنے والے کسی روزنامہ میں وہ زبان استعمال کی جسے شرفا تو کیا رام پور کے کیمین بھی استعمال نہیں کرتے۔ اکبر علی خاں نے مجھے لکھا ”اللہ اللہ ملتان میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ دیوان غالب کے عکس فراہم کر سکیں“ وغیرہ۔ اُن کے خط ابھی محفوظ ہیں اور وقت پر شائع کئے جائیں گے۔

۱۹۷۸ء بی بی سی لندن سے ایک پروگرام ہوتا تھا ”کتاب خانہ“۔ اب اسی نام سے سحر پبلی کیشنز کراچی نے اپریل ۱۹۸۵ء میں کتاب شائع کی ہے۔ اس کے مصنف رضا علی عابدی ہیں۔ فہرست میں ایک عنوان ہے ”غالب کوئے ملامت میں“ صفحہ ۵۱ پر عابدی صاحب لکھتے ہیں:

”اب ضرورت تھی کہ بیاض غالب کے اصل نسخے پر ماہرین کی تحقیق شروع ہو اور غالب کی شاعری پر پڑے ہوئے باریک اور دبیز سارے ہی پردے اٹھیں مگر ذرا مے کا پردہ جتنی شان سے اٹھا تھا اتنی ہی خاموشی اور نہ اسرار خاموشی سے گر پڑا دیوان غالب لا پتہ ہو گیا اور یہ حال اب کسی حال نہیں کھلتا کہ وہ کہاں ہے؟ کس کے پاس ہے کون اُسے چھپائے بیٹھا ہے اور اُسے چھپانے میں کیا مصلحت ہے؟“

ماہرین کی تحقیق کا کچھ حصہ تو شائع ہو چکا ہے۔ کچھ تحریریں میں جمع کر رہا ہوں اور جلد کتاب شائع ہوگی۔ غالب کی شاعری پر باریک اور دبیز پردے کبھی نہیں پڑے تھے باریک اور دبیز نقاب جن چہروں پر پڑی ہوئی ہیں وہ ضرور اٹھنی چاہئیں تاکہ غالب کو کوئے ملامت میں نہ جانا پڑے۔

رضا علی عابدی صاحب دیوان غالب بخط غالب“ کی دریافت کو ذرا مہر کہتے

ہیں اور انہوں نے اس ڈرامہ کے کئی کرداروں کا ذکر کیا ہے لیکن افسوس کہ اگر ڈرامہ ہے تو اس ڈرامے کے سب سے بڑے کردار حضرت ثار احمد قادوقی کے رول کے بارے میں عابدی صاحب کی لاطینی تحریر انگیز ہے۔ حضرت ثار احمد قادوقی تو پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے توفیق احمد کی سادگی سے قائمہ اٹھایا اور اولین فرصت میں فوٹو اسٹیٹ حاصل کر لئے۔ حضرت صاحب نے لکھا:

”یہ اطلاع ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو انگریزی ’آرڈو ہندی اور دوسری زبانوں کے اخبارات میں چھپی اور آل انڈیا ریڈیو نے اسے خبر نامہ میں شرمکی اسی دن توفیق احمد صاحب یہ نسخہ لے کر میرے پاس دہلی پہنچے۔“ (علاشی غالب، ص ۲۵۴) (کتابیات لاہور)

حضرت صاحب نے بقول عابد رضا بیدار ”استفادہ“ کیا یعنی فوٹو اسٹیٹ بنوائے اور اس قدر جزوی دکھائی کہ اس کا تفصیلی تعارف لکھ کر ”علاشی غالب“ میں اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں“ تحریر فرمایا۔ [علاشی غالب، ص ۲۵۴] (کتابیات لاہور)

وہ یہ بھی لکھ سکتے تھے کہ دیوان غالب بخط غالب کو تفصیلی تعارف کے ساتھ نقوش میں اشاعت کے لئے بھیج رہے ہیں۔ انہیں ایسا لکھنے سے کون روک سکتا تھا۔

رضا علی عابدی صاحب اتنے اہم اور اتنے بڑے کردار کو نظر انداز کر گئے ہیں۔ یہ تفصیلی تعارف دیوان غالب بخط غالب کے فوٹو اسٹیٹ حاصل کئے بغیر نہیں لکھا جاسکتا تھا۔

دیوان غالب لاپتہ نہیں ہوا۔ میں قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اکبر علی خاں کے پاس ہے اکبر علی خاں نے اسے چھپا رکھا ہے۔ اس کے چھپانے میں وہ باتیں پوشیدہ ہیں۔

اول یہ اکبر علی خاں کو جب بھی موقع ملا وہ میرانی ممالک کے کسی ادارے کو

فرست کر دیں گے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ اٹھا سکیں دوسرے یہ کہ اگر اکبر علی خاں کو مالی فائدہ نہیں پہنچا تو دوسروں کو کیوں پہنچے۔

کتب خانہ کے صلیحہ ۵۴ پر عابدی صاحب نے لکھا ”اب شورا تھا کہ بیاض غالب اسکل ہو کر پاکستان چلی گئی۔“ یہ افواہ اکبر علی خاں نے اس وقت اڑائی جب انہیں یہ علم ہوا کہ ”بیاض غالب بھٹو غالب“ تو نقوش میں شائع ہو گئی۔ طفیل صاحب نے ان کی شرائط پوری کئے بغیر ہی دیوان غالب بھٹو غالب شائع کر دیا تھا۔ دوم یہ کہ اولیت بھی نقوش کو حاصل ہوئی۔ اکبر علی خاں اگر یہ افواہ بھی نہ اڑاتے تو کیا کرتے۔ بے چارے اکبر علی خاں کو ایک پیسہ نہ ملا حضرت ثار احمد فاروقی تو پھر بہت اچھے رہے۔ خواہی لکھنے کے پانچ ہزار نقد وصول کئے۔ پچاس صفحے بھی نقوش کے اپنے لئے لئے اور تین سو صفحے جو مختلف اداروں اور اشخاص کو دیئے تھے انہیں ہضم کر لیا۔ توفیق احمد اور مالک رام صاحب کے لئے جو رقم طفیل صاحب نے دی تھی اسے ہضم کر لیا۔ اکبر علی خاں اگر دیوان غالب بھٹو غالب کو غالب نہ کرویتے تو کیا کرتے۔ ایک روایت یہ ہے کہ توفیق احمد چند لوگوں کو ساتھ لے کر مرحوم امتیاز علی خاں عرشی صاحب کے پاس گیا ’رویا‘ گزر گیا کہ اکبر علی خاں سے دیوان غالب بھٹو غالب کا مسودہ دلوادیں عرشی صاحب شریف انسان تھے۔ انہوں نے بیٹے سے درخواست کی (حکم وہ اکبر علی خاں کو نہیں دے سکتے تھے) کہ ”دیوان غالب دے دو“ اکبر علی خاں اس شرط پر آمادہ ہوئے کہ انہیں تحریری رسید مل جائے تو وہ دیوان غالب لٹا دیں گے۔ غریب توفیق احمد نے رسید لکھ دی اور اکبر علی خاں نے جو تے مار کر نکال دیا اس کے ایک ہی معنی ہیں کہ اگر توفیق احمد قانون کا دروازہ کھٹکتا نہیں تو اکبر علی خاں رسید پیش کریں۔ حالانکہ توفیق نے جب دیوان غالب اکبر علی خاں کے سپرد کیا تھا تو کوئی رسید نہ لی تھی۔ آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ اکبر علی خاں اور حضرت ثار احمد فاروقی کے بارے میں چند باتیں اشارۃً طفیل صاحب کے خاکہ میں لکھی تھیں۔ یہ خاکہ سب سے پہلے اپریل

۱۹۸۲ء میں ”اہل قلم ملتان“ میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان محمد نقوش تھا۔ یہی خاکہ ڈاکٹر محمد حسن نے عصری ادب دہلی میں شائع کیا اور دونوں پاکستانیوں کے نام اور اشارات کو کسی حد تک کاٹ دیے اور مجھے لکھا ”دونوں اودم پچاتے“ تیسری مرتبہ یہ خاکہ ”محمد نقوش“ مرتبہ ڈاکٹر معین الرحمن میں شائع ہوا۔ معین صاحب کو دوسروں کے کام پر ہاتھ صاف کرنے کا جو سلیقہ آتا ہے وہ کیا کسی کو آئے گا۔ یہ الگ باب ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ محمد نقوش میں نے مرتبہ کی ہے معین صاحب نے نہیں۔ محمود عالم قریشی اور ڈاکٹر اختر کو سب حال معلوم ہے۔ میرے پاس کئی حضرات کے خطوط ہیں جنہوں نے یا تو مضمون لکھنے کا وعدہ کیا یا مغذوری ظاہر کی۔ ایک بیگم صاحبہ کا نام بحیثیت مرتبہ کے چھپنا قرار پایا۔ میں نے طفیل بھائی سے کہا ”بسم اللہ کوئی حرج نہیں“ پھر خدا جانے کیا بیچ پڑا کہ معین صاحب کے نام سے یہ کتاب شائع ہوئی اور جب مسودہ ان کے پاس پہنچا تو حسب عادت اور حسب معمول انہوں نے قیمتی سنبھالی انہوں نے نہ صرف یہ کہ میرے خاکہ کا عنوان بدل دیا بلکہ کبیر علی خاں اور غار احمد فاروقی سے متعلق باتوں میں سے بیشتر کو قلم زد کر دیا۔ کیوں کہ انہیں ”تجدیدِ نعت“ طے میں دشواری ہوتی۔ محمد نقوش کو میں نے ہی محمد عمر خاں مالک و مہتمم کاروانِ ادب ملتان سے شائع کرایا تھا۔ ان چند سطور کے لئے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جو تفصیل اب میں نے لکھی ہے وہاں اشارہ طفیل صاحب کی زندگی میں لکھ چکا ہوں۔

بیگم طفیل پروفیسر عزیز احمد ”مسعود اشعر“ سلطان صدیقی ”ڈاکٹر سید سجاد باقر رضوی“ ڈاکٹر فرمان فتح پوری صادق حسین اور کئی دیگر حضرات حیات ہیں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ عزیز جی جاوید طفیل معمر ہے ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے وعدہ لیا کہ میں دیوانِ غالب بظرف غالب“ کی اشاعت کی روداد لکھوں میں ان حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ روداد لکھوائی ورنہ نہ جانے کب تک یہ کام کتنا ہی رہتا۔ [ماہنامہ ”طلوع افکار“ کراچی مارچ ۱۹۸۹ء]



اگر آپ نے زیرِ نظر شمارے میں شائع شدہ تمام نگارشات براہِ راست حاصل کی ہیں تو اس کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے کیوں کہ یہی نام جانے بچانے اور مستحضر ہیں خصوصاً لطیف الزماں خاں کا مضمون تو بہت ہی دلچسپ ہے۔

[قبیر حسین (لندن) ماہ نامہ طلوع الکاظمی جولائی ۱۹۸۹ء]

”دیوانِ غالب بخاطرِ غالب“ کے حوالے سے لطیف الزماں خاں نے جن پردوں کو سر کا یا ہے انہیں مزید اٹکنے کی ابھی ضرورت باقی ہے کیسے متاد پرست ادب کے نام پر دھجے لگا رہے ہیں۔ [الفرحان (کوئٹہ) مئی ۱۹۸۹ء] ماہ نامہ طلوع الکاظمی جولائی

[۱۹۸۹ء]

”۱۹ جون کے کرم نامے کے لئے شکر گزار ہوں یہ جان کر مطمئن ہوا کہ آپ کو میرے دونوں خطوط جو مختلف جہوں پر لکھے گئے تھے مل گئے۔ مگر جواب آپ نے صرف تیسرے خط کا دیا۔ شکریہ۔ نہ میں نے پلکھا اور نہ چاہتا ہوں کہ میرے مضمون کے حوالے سے ”تقریبی خطوط آئیں تو آپ انہیں شائع فرمائیں۔ ضروری نہیں کہ تو مصیبتی خطوط ہی آئیں اختلافی خط بھی آئیں تو انہیں پہلے جگہ دیجئے گا۔“

آپ تقدیم اور تاخیر کے قائل نہ ہوں مگر ادب میں تو یہ قصہ ہے۔ محمد حسن عمر میں تو مجھ سے چھوٹے ہیں ہاں علم کے اعتبار سے بڑے۔ آج بہادر گورڈ صاحب کو میں نہیں جانتا۔ پھر عرض کرتا ہوں کہ میری کوئی حیثیت نہیں ہے اصل بات غالب کی تھی۔ میں نے کبھی کسی رسالہ میں نہیں پڑھا کہ غالب پر مضمون ہو اور اسے اقلیت نہ دی جائے۔ آپ کو یاد ہو گا گزشتہ سال فردوسی میں ”غالب کا سطر ٹکٹہ“ شائع ہوا جسے پڑھ کر آپ نے مجھے خط لکھا تھا۔ اس شمارے میں دیکھئے کئی ”عمر رسیدہ لوگ ہیں“ لیکن غالب کی وجہ سے کشور ناہید نے اسے اہمیت اور اقلیت دی۔

خیر اب قصہ کو ختم کیجئے۔ آپ نے شائع کر دیا یہی غیبت ہے۔ ورنہ دو سال قبل اس مضمون کو لکھا تھا اور کسی سے کیا شکوہ وہ ہمارے مسجد بھائی محمد علی صدیقی اور حسن شاہد نے ارتقا میں شائع کرنا پسند کیا اور آپ کو دے دیا تھا صرف اس لئے کہ وہ مظلوع انکار کو "اپنا پرچہ" سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر شارب دروہلوی کا خط اولیٰ سے آیا ہے۔ رسالہ آپ نے رجسٹری سے بھیجا۔ میرا مضمون پڑھا تو مات بھر غصہ نہیں آئی۔ شارب بہت ہی شریف انسان ہیں اسنے شریف کر دی میں رہ کر انسان کو اتنا شریف نہیں ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر ٹار احمد فاروقی نہ ہوں نہ سہی ڈاکٹر محمد حسن تو ہوں۔ معلوم نہیں آپ نے کن کن حضرات کو پرچہ بھیجا۔ ہندوستان میں دو اصحاب کو پرچہ جاتا تو اچھا تھا مالک رام صاحب اور رشید حسن خاں صاحب کو مضمون میں جن حضرات کے حوالے سے باتیں آئی ہیں انہیں کو پرچہ ضرور پہنچنا چاہئے۔ سید سجاد ہاقر رضوی، مسعود اشعر (پتہ وہی ہے جو مضمون میں آیا ہے) عبادت صاحب، جاوید طفیل، ڈاکٹر سلیم اختر و غیرہ آپ صرف اتنا بتائیے کہ کن کن حضرات کو آپ نے رسالہ بھیجا ہے جو رہ گئے ہوں گے انہیں میں بھیج دوں گا۔"

میں ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہوں۔ اردو کے تین دروہ گو۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی تو حضرت ڈاکٹر ٹار احمد فاروقی ہیں مضمون آپ نے شائع کر دیا۔ دوسرے صاحب ہیں ڈاکٹر صبحین الرحمن صدر شعبہ اردو کورنٹس کالج لاہور۔ ان کے سلسلہ میں تین مضامین لکھنے ہیں (۱) غالب کے حوالے سے کہ موصوف نے مخدوم سعیدی کے دخیتر جبر کو اپنے نام سے شائع کر رکھا ہے۔ (۲) دوسرا مضمون رشید احمد صدیقی صاحب کے حوالے سے کہ صبحین صاحب نے رشید صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تحریروں کو اپنے نام سے شائع کیا ہے اور ان کے ساتھ جعلی تصویر بنائی اور چھاپی ہے۔ تیسرا مضمون "محمد نقوش" کے حوالے سے کہ یہ کتاب انہوں نے نہیں میں نے مرغب کی ہے۔ تیسرے دروہ گو آں

احمد سرور صاحب ہیں۔ [لطیف الزماں خاں (ملتان) ملہ نامہ طبع ۱۹۸۹ء کراچی جولائی ۱۹۸۹ء]
 آپ کا ۱۳۱ جولائی کا کرم نامہ مل گیا۔ یاد فرمائی کے لئے شکر گزار ہوں۔ آپ کے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ آپ مصروف زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ دیر ہی سے کسی آپ خط کا جواب دیتے ہیں۔ اہل کراچی کم لاہور کے کٹر اور ہندوستان کے احباب بالکل جواب دینے کے عادی نہیں ہیں۔ میری پریشانی یہ کہ ایک عجیب شہر میں رہتا ہوں نہ ہم زبان نہ ہم خیال۔ اس نامعلوم ہستی میں ایک شخص ایسا نہیں جس سے ادب پر طبع کی گفتگو ہو سکے۔ جب کسی کا خط آتا ہے تو تنہائی کا احساس کم ہوتا ہے۔ جواب لکھ کر پھر خط کا انتظار کرنے لگتا ہوں۔

اب آپ نے اجازت دے دی ہے تو مضامین لکھوں گا اور بھیجتا رہوں گا۔
 وہ مشورہ جس میں دیوان غالب بخط غالب رد ہوا شامت شائع ہوا ہے آپ جتنے پرچے آسانی بھیج سکتے ہوں بھیج دیجئے میں ان تمام اصحاب کو جن کا اس میں ذکر آیا ہے بھیج دوں گا۔ اس نوازش کے لئے بیشکی شکر یہ قبول فرمائیے۔

[لطیف الزماں خاں (ملتان) ملہ نامہ طبع ۱۹۸۹ء کراچی نومبر ۱۹۸۹ء]

لطیف الزماں خاں کا مضمون ”دیوان غالب بخط غالب“ بہت سے نامعلوم گوشواروں پر روشنی ڈالتا ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ توفیق احمد قادری امرہ دہوی کے حاصل کردہ خطوط کی فوٹو اسٹیٹ کا پی ڈاٹا احمد فاروقی نے نقوش کو دی تھی۔ محمد طفیل صاحب مرحوم سے میرے مرام ۵۶ء سے تھے اور اس وقت سے نقوش میرے پاس باقاعدگی سے آتا تھا۔ غالب نمبر صدرم سے نور یافت پانچ غالب کا ایک نسخہ بھی میرے پاس براہ راست لاہور سے آیا تھا میں نے طفیل صاحب سے اس سلسلہ میں کبھی دریافت نہیں کیا، تاہم ۷۰ء میں توفیق احمد قادری اپنے مقدمے کے سلسلہ میں کسی وکیل سے مشورہ کرنے پڑے (بہار) آئے تو انہوں نے میرے یہاں قیام فرمایا ان دنوں

میں پسند میں تھا دہلی میں کسی نے انہیں میرا پتہ دیا تھا وہ غار احمد قاروقی اور مرثیٰ زادہ اکبر علی خاں دونوں سے بہت برہم تھے اور ان کا خیال تھا کہ ان دونوں میں سے کسی نے ان کا مخطوطہ "نقوش" کو دے کر بڑی رقم حاصل کی ہے اور انہیں پھرتی کوڑی تک نہیں دی وہ مخطوطے کی بازیافت کے سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کر رہے تھے پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ لطیف الزماں خاں کا یہ مضمون کوہسار جنرل (بھاگل پور بہار) نے بھی آپ کے یہاں سے نقل کیا ہے اس مضمون کا ذکر دہلی میں بھی کئی دوستوں نے کیا۔

[مستمر نام (سری گھر بھارت) ماہنامہ "طلوع افکار" کراچی نومبر ۱۹۸۹ء]

"میرے محترم دوست پروفیسر لطیف الزماں خاں کا اصرار ہے کہ میں "طلوع افکار" کے کسی سابقہ شمارے میں ان کا مقالہ "دیوان غالب بظلم غالب" ضرور پڑھوں اب اگر آپ دو پرچہ بھیج دیں تو بڑا اکرم ہوگا۔" [نظیر صدیقی ماہنامہ طلوع افکار کراچی دسمبر ۱۹۸۹ء]

"دیوان غالب بظلم غالب" روداد اشاعت کے بارے میں انفرادی طور پر ڈاکٹر جمیل جالبی ڈاکٹر فرمان فتح پوری ولی سے ڈاکٹر قمر رحیم ڈاکٹر شارب ڈاکٹر محمد حسن کے خطوط آئے ہیں محمد حسن صاحب نے لکھا ہے "آپ کے مضمون نے ہندوستان میں تھمکے بچا دیا ہے" علی گڑھ سے بھی خط آیا ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مضمون کو شان ہند دہلی نے آپ سے اجازت کے بغیر شائع کیا ہے۔" [لطیف الزماں خاں ماہنامہ طلوع افکار کراچی دسمبر ۱۹۸۹ء]

لطیف الزماں خاں صاحب کے مضمون کا تذکرہ بعض دوسرے احباب نے بھی کیا ہے میں نے وہ مضمون نہیں دیکھا نہ دیکھنا چاہتا ہوں میں نے اپنی طرف سے انہیں معاف کر دیا ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے مواخذہ نہ کرے۔

ہر کہ ہمارا یار نمود آید و آردا یار باد دان کہ ہمارا رخسہ دار و زار عشق بسیار باد
ہر کہ آد خار سے نہد در را و ما از دشمنی ہر لکے کز بارغِ مرش بخلفد بے خار باد

اگر میری کوئی لفظی ہے تو میزانِ عدالت ایک دن نصب ہوتی ہے اور وہ دن زیادہ دور بھی نہیں ہو سکتا۔ [نثار احمد قادری کا سید انیس شادی ۱۵ فروری ۱۹۹۰ء]

”طلوعِ افکار کے کسی شمارے میں (اس پر نہ شمارہ ہے نہ مہینہ نہ سن) کینیڈا سے محترمہ حیم سید نے میرے مضمون ”دیوانِ غالب، غلط غالب“ روادِ اشاعت کو سراہا۔ میں ان کا شکر گزار۔ وہ لکھتی ہیں:

”لیکن مضمون میں ایک ”کڑک“ کا عقارت آمیز تذکرہ بہت کھلا۔“

میرے پاس محترمہ حیم سید کا پتہ نہیں ہے ورنہ براہِ راست انہیں لکھتا۔ اب آپ کے توسط سے بعض باتوں کی تشریح ضروری ہے۔ میری سات پشت میں کوئی جاگیردار نہیں ہوا میری ذہنیت جاگیردارانہ کیوں کر ہو سکتی ہے۔ ساری عمر محنت مزدوری کی ہے اور سیاف میں انسان کی ذہنیت کچھ اور ہوتی ہو جاگیردارانہ نہیں ہوتی۔ جن صاحب کے لئے لفظ ”کڑک“ استعمال کیا گیا ہے وہ ایک مقامی حوالہ تھا۔ ان کی ذہنیت کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا۔ یوں بھی کینیڈا میں وہ کہ یہاں کے کڑک کی ذہنیت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ کڑک صاحب دایا بھٹنالی۔ اے ہیں انگریزی میں ایم اے ہیں شاعر اعظم ہیں مہمان افسانہ نگار ہیں خدا بھلا کرے ایک صاحب کا جو کاشمیل سے ڈاکٹر ہوئے پھر ایسی جماعت سے وابستہ ہوئے کہ اس کی آڑ لے کر جس کا بھی چاہا بگڑی اچھالتے رہے۔ اسی کاشمیل ڈاکٹر نے کڑک بادشاہ کو ادبی انعام دلایا۔ کیا وہ سال تک جب لوگ کوڑے کھا رہے تھے خواتین تک ظلم و ستم کا شکار تھیں۔

وہ جس تھا کہ نوکی ڈھاما بھٹتے تھے لوگ

ایسے عالم میں کڑک نے ٹوپی پہنی جس پر لکھا تھا ”ساختہ جماعت“ اس نے نہ صرف کڑکی کی اپنے لئے تعریفی کالم لکھوائے اپنے نام کتابیں مطبوعہ کروائیں بلکہ دنیا کی سیر کر آیا اور جرنلی جسہوریت کی صبح نمودار ہوئی وہ ترقی پسند بن گیا۔ خاتون محترم بتائیں

ماہیہ قائل کا کیا کرے کوئی؟

میں محترمہ صمیم سید کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے لکھا ”ادب کی منہی میں طرح طرح کی دھاندلیاں رواج پا رہی ہیں جن کی پردہ پوشی ایسے لوگوں کے ہاتھ مضبوط کرتی ہے“ میں نے مضمون میں یہی کچھ تو کیا ہے کہ غالب کے نام پر کیسے کیسے لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ”نسوز“ امروزہ ”نسوز“ لاہور ”نسوز“ بھوپال ”ثانی یا بیاضی“ غالب بنڈا غالب ایک جعلی نسخہ ہے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر انصار اللہ نگر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اس کو جعلی قرار دیا پھر کمال احمد صدیقی نے پانچ سو صفحات کی کتاب ”بیاضی غالب“ تحقیقی جائزہ شائع کی۔ ڈاکٹر محترمہ الدین احمد صاحب نے احوال غالب (نیا ایڈیشن دلی) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس نسخہ کی مخالفت میں بڑی تعداد میں مضامین لکھے گئے اور حق میں بھی۔ ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ میں بھی ایک کتاب کا ڈول ڈالوں گا اور بتاؤں گا کہ یہ نسخہ جعلی ہے تو کیوں! محترمہ صمیم سید نے جس مضمون کو سراہا اسی سلسلہ کی چند باتیں ملاحظہ فرمائیں:

سال گزشتہ جمعہ ۱۷ مارچ ۱۹۸۹ء کی سہ پہر کو میں محمد طفیل مرحوم (مدبر نقوش) کے مگر بیگم طفیل کے پاس بیٹھا ہوا تھا ہم دونوں چائے پی رہے تھے انہوں نے بتایا کہ دلی سے ڈاکٹر فیاض احمد فاروقی آئے ہیں اور انہی کے مگر قیام ہے۔ طفیل صاحب نے اس وقت سے چپ سا دھ لی تھی جب ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں ڈکارنے کے بعد ڈاکٹر احمد فاروقی نے رسول نمبر کے لئے لکھنے کے دس ہزار روپے اور طلب کئے تھے۔ فاروقی صاحب دلی سے آتے قیام کہیں اور کرتے لیکن جب طفیل صاحب کا انتقال ہو گیا تو موصوف سید سے ان کے ڈرائنگ روم میں آئے۔

بیگم طفیل نے کہا ”میں تو ان سے ملی نہیں“ پھر ہم دونوں ان کے کارناموں پر باتیں کرتے رہے۔ بیگم طفیل علی الصبح نماز کے بعد سیر کرنے جاتی ہیں۔ فاروقی صاحب براہ سے تیس منٹ پر چھ کدو سیر سے واپس آئیں تو یہ ہم کلام ہوں۔ بیگم طفیل بڑی وضعدار

اور خود داد خاتون میں جو سلوک ثار احمد فاروقی نے ان کے مرحوم شوہر سے کیا تھا وہ کیسے معاف کر سکتی تھیں انہوں نے بات کر کے نہ دی۔

یک شنبہ ۱۹ مارچ ۱۹۸۹ء کو نقوش کے دفتر میں میرے علاوہ طفیل صاحب کے صاحبزادے جاوید (اب نقوش کے ایڈیٹر ڈاکٹر ثار احمد فاروقی اور ڈاکٹر معین الرحمن صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج لاہور) موجود تھے۔ طفیل صاحب کی باتیں ہورہی تھیں فاروقی صاحب نے بتایا کہ جامع مسجد رقی کے قریب رشید نامی ایک جلد سازی کی دکان تھی وہ لاہور آیا اور فاروقی صاحب کا رتھ لایا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو مرحوم طفیل صاحب نے ”بیاض غالب بخط غالب“ کے پچاس نسخے آسے دے دیے۔ دلی پہنچ کر کہنے لگا کہ کشم دالے لوٹ پڑے اور آدھے نسخے لے لئے اور پانچ سو روپے بھی۔ ایک فہرست بھی بھیجی تھی طفیل صاحب نے۔ اس میں کئی نام ایسے تھے جو میں نے کٹ دیے۔ مثلاً عصمت چغتائی۔ بملا عصمت کو غالب سے کیا تعلق“۔ میں نے جاوید کو لاہور جاوید نے مجھے دیکھا تو ہنسی خنک کرنا مشکل ہو گیا۔

نقوش کے دفتر میں چودہ بڈل کتابوں کے جمع تھے۔ میں نے اشارہ سے پوچھا اور عزیز بی جاوید طفیل نے اشارہ سے جواب دیا کہ فاروقی صاحب کے ہیں۔ ڈاکٹر ثار احمد فاروقی صاحب کا قاعدہ یہ ہے کہ کراچی جائیں تو انجمن ترقی اردو سے لاہور میں مجلس ترقی ادب لاہور ثقافت اسلامیہ اقبال اکیڈمی بزم اقبال اسلام آباد جائیں تو مقتدرہ کی مطبوعات مفت حاصل کرتے۔

۱۹ مارچ کی شب کو دس بجے کے قریب بیگم طفیل ان کی بہن زادہ بشری عاشری اور نئی زمین۔ ہم سب قہقہے لگا رہے تھے۔ جاوید آئے اور شریک ہو گئے۔ نقوش کا تازہ شمارہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ بکا یک بیگم طفیل مجیدہ ہو گئیں ”کہہ دوں گی میں فاروقی سے یہاں نہ آیا کرے۔ آ جاتا ہے میرے بچوں کو لوٹنے کے لئے“ میں تجزی سے اٹھا اور میز پر ان کے

سامنے بیٹھ گیا۔ ”فہمیں بھابی جان۔ آپ ایسا نہیں کریں گی یہ اتفاقاً نہیں کہیں گی“ وہ چپ تھیں اور افسردہ۔

ڈاکٹر فاروقی آتے ہیں تو جاوید انہیں اپنا ہر کام چھوڑ کر کار میں لئے بھرتے ہیں۔ پاکستان میں وہ کہیں جائیں ان کے لئے ہوائی جہاز سے آمد و رفت کا ٹکٹ منگاتے ہیں اور پھر ان کی ہر فرمائش پوری کرنے میں کتابیں اب بھی ڈائریوں کے حساب سے جاوید ساتھ کروڑتے ہیں۔ تو جناب یہ ہیں ڈاکٹر راشد فاروقی۔

[لطیف الزماں خاں (مقام) ”مطلوع النکاز“ کراچی مارچ ۱۹۹۰ء]

”دوچ اینا غالب بخظ غالب“ کے حوالے سے ایک خط روانہ کیا جا سے مضمون کا ضمیر خیال فرمائیے شائع کرو دیجئے۔

[لطیف الزماں خاں (مقام) ”مطلوع النکاز“ کراچی مارچ ۱۹۹۰ء]

”مطلوع النکاز کے دو شمارے ملے ہیں۔ اس کرم فرمائی کے لیے شکر گزار ہوں۔ ”کوہسار جرنل“ مل رہا ہوگا آپ ”مطلوع النکاز“ باقاعدگی سے بجوائیں میں آپ کے لئے بھی برابر کھوں گا۔ اس رسالہ کی ایک کاپی سب سے پہلے جو گندہ پال صاحب نے مجھے بھیجی تھی۔ غالباً جون کا شمارہ تھا۔ اس میں شامل لطیف الزماں خاں صاحب کا مضمون میں نے ”کوہسار جرنل“ میں ڈائجسٹ کیا تھا۔ اس مضمون کو پڑھ کر ڈاکٹر عیسیٰ چند صاحب نے جو خط لکھا تھا اسے نقل کر رہا ہوں تاکہ لطیف الزماں خاں اگر جواب دینا مناسب سمجھیں تو پہلے آپ چھاپ دیجئے پھر میں شائع کر لوں گا۔ میں نے دو خطوں میں یہ مضمون شائع کیا تھا۔

”لطیف الزماں خاں“ کا سلسلہ مضمون ”دوچ اینا غالب بخظ غالب“ معلومات افزا ہے۔ معلوم نہیں آپ نے یہ مضمون کہیں سے ڈائجسٹ کیا ہے یا پہلی بار آپ ہی کے پرستے میں چسپا ہے۔ اب جون کے پرستے میں صفحہ پر لکھا ہے کہ لطیف الزماں خاں کے عزیز

نے فوٹو گرافر سے محض ۶۳ صفحات کے عکس حاصل کئے اور طفیل صاحب کو دئے۔ اس کے بعد ان کا شمار احمد فاروقی کے اس بیان کی تردید کے جملہ فوٹو انہوں (فاروقی) نے فراہم کئے ہیں اور مست نہیں معلوم ہوتا۔ میرا تاثر یہ ہے کہ نقوش کو فوٹو اور مقدمہ شمار احمد فاروقی صاحب ہی نے فراہم کیا۔

مضمون میں شمار احمد فاروقی اور اکبر علی خاں صاحبان کے خلاف شدید اعتراضات ہیں۔ ہمارے سامنے تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ مناسب ہو گا کہ ان دونوں حضرات کے بیان بھی حاصل کر کے شائع کر دئے جائیں۔

[۱] اکثر مناظر ماثق بر گانوی (بھگل پور) بہار (ماہنامہ "طلوع افکار" کراچی مارچ ۱۹۹۰ء)

ہم کہاں کے دانشور ہیں یہ اور بات کہ ہر جگہ داستا میں بکھری پڑی ہیں مجھ میں سینے کا سلیقہ نہیں ہے۔ تاہم میں کچھ مواد آپ کے لئے مرتب کرنے کے ارادے باخبر رہا ہوں یہ دیکھ کر کہ آپ لگی لپٹی رکھے بغیر کہ سن بھی لیتے ہیں اور کسی قطعہ دریدہ کے بغیر چھاپ بھی دیتے ہیں۔ یہ کمال اردو دنیا میں کم کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ "طلوع افکار" مارچ ۱۹۹۰ء کا بے حد شکر ہے۔

(۲)

میں "طلوع افکار" کے لئے لطیف اثرات خاں کے دو درجن خطوں کی ترسیب کی دمن میں ہوں میری مراسلت شمار احمد فاروقی سے بھی ہے کچھ باتیں بہر حال یک جا ہو جائیں گی مزے مزے کی۔ [سید انیس شاہ بی بی ماہنامہ "طلوع افکار" کراچی مئی ۱۹۹۰ء]

آپ کا دوسرا خط بھی مل گیا تھا مگر مجھے آپ نے "جواب آں غزل" کے لئے دوڑا رکھا تھا اس کردہ کام میں بارہ دن صرف ہو گئے اب عذاب و ثواب سب آپ کی گردن پر۔ اسے چڑھئے اور از روئے انصاف اپنی رائے لکھتے منتظر رہوں گا ایک زحمت اور دوں مجھے "طلوع افکار" کا پتا معلوم نہیں آپ اس مضمون کی Xerox کاپی اپنے پاس رکھ

لیں اور یہ مسودہ مطلقاً افکار کو بھیج دیں، خبر نہیں کہ وہ اسے چھاپیں گے یا نہیں اگر چھاپ دیں تو ان سے کہئے کہ ایک کافی صحفے چنے پر بھیج دیں۔

[نثار احمد فاروقی عام ایشی ۱۳۳۳ جون ۱۹۹۰ء۔ اس خط کے ساتھ فاروقی صاحب کا مضمون ”دیوان غالب بخت غالب“ (زوداد اشاعت) بھی وصول ہوا اس کی اطلاع میں نے حسین الہم صاحب کو دی لیکن کوئی رسید نہ آئی یہ مضمون فاروقی صاحب نے بعدوستان میں اشاعت کے لئے دے دیا وہاں سے ”مطلوع افکار“ میں نقل ہوا۔ انیس ۷۱ نومبر ۱۹۹۰ء محمد آبار]

نثار احمد فاروقی

دیوان غالب بخت غالب

زوداد اشاعت

”مطلوع افکار“ کے مارچ اپریل ۹۰ء کے شمارہ میں جناب لطیف الزماں خاں کا مضمون ”دیوان غالب بخت غالب“ (زوداد اشاعت) کیا شائع ہوا کہ قارئین کے خطوط کا تاخیر بندھ گیا اور یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ ادھر ہندوستان میں یہ مضمون شان ہند (دہلی) اور کوسار (بھاگل پور) نے نقل کیا۔ اس طرح عرصہ تک اس کی گونج سنائی دیتی رہی۔ اب تقریباً سو سال کے سکوت کے بعد اس مضمون کے حوالہ سے نثار احمد فاروقی صاحب کا جواب مضمون کتاب نما (دہلی) کے اگست ۹۰ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے اور کیونکہ

”لکل مبدا الہ و جہان“

اس لئے ہم اسے کتاب نما کے شکرے کے ساتھ اپنے قارئین کے لئے نقل کر رہے ہیں۔ یہ

۷ اصناف پر محیط پہلی قسط ہے ج

بہت ام و درختم گیسوئے تو امید و راز

ہمارے نزدیک یہ دونوں صاحبان بہت محترم ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ۔

نکتہ ہا رفت و شکایت کس عید

جانب حرمت فرو نہ گزاشتم

(ہمین انجم)

انجما ہے پاؤ یار کا زلف و راز میں

لو آپ اپنے دام میں مباد آ گیا

مارچ، اپریل ۱۹۸۹ء کے رسالہ ”طلوع افکار“ (کراچی) میں محترم لطیف الزماں خاں

صاحب کا مضمون ”دیوان غالب بنظر غالب“ روداد اشاعت“ شائع ہوا۔ اسے دہلی کے

ایک رسالے ”شان ہند“ کے علاوہ ”کوہ سار“ (بھگل پور) نے بھی دہاں سے نقل کیا۔

اسے پڑھ کر کچھ حاسدوں کے من میں تولد و پھوٹے اور دوستوں نے شرماء حضوری میں مجھ

سے تذکرہ تک نہیں کیا۔ بعض اصحاب نے کہا بھی تو میں نے اسے نہ پڑھتا ہی مناسب

سمجھا۔ دراصل میرے دوستوں کو جو مجھے جانتے ہیں میرے بیان منافی کی ضرورت ہی

نہیں۔ اور دشمنوں کو میری بات پر یقین کیوں آنے لگا نہ اس لئے میں نے ”سخت و سخت“

بودہ“ پر عمل کرنا چاہا۔ اور یہ نیت کر لی کہ نہ اس مضمون کو نکھوج کر پڑھوں گا نہ اس پر کچھ لکھوں

گا۔ اس کا سبب یہ کہ لطیف الزماں صاحب سے کئی برس تک دوستانہ مراسلت رہی ہے اور

جس زمانے میں دیوان غالب بنظر غالب دریافت ہوا ہے اس وقت تو شاید ہر ماہ ۸-۱۰

خطوں کا جادلہ ہوتا تھا۔ جس شخص کو دس بارہ برس تک دوست سمجھا ہو اس کے خلاف دشمنی

یا تو جین و حقیر کے الفاظ میرے قلم سے نہیں نکل سکتے۔ اسی دیوان غالب کے سلسلے میں

جناب اکبر علی خاں مرثی زادہ نے میرے خلاف یہاں محاذ بنایا تھا چھ ماہ تک اردو انگریزی اخباروں میں لڑی تھی تاہم میں نے مضامین، مراسلات اور خبریں شائع کراتے رہے اور حکومت ہند کے مختلف محکموں کو (جو جرائم کی تحقیق کرتے ہیں) میرے خلاف متعدد درخواستیں بھجوائیں تھیں تاہم بار بار ایسٹ میں سوال کرائے۔ رام پور کے اخبار ”قومی جنگ“ کا تین چار صفحات کا ضمیمہ میرے خلاف لکھوا دیا جس میں یہ تھا کہ میں اسمگلر ہوں پاکستان کا جاسوس ہوں وہاں میری لاکھوں کی جائیداد بن گئی ہے وغیرہ۔ وہ زمانہ بنگلہ دیش کی تحریک کے شباب کا تھا دونوں ملکوں کے تعلقات سخت کشیدہ تھے اس لئے مجھے مجبور ہو کر ”قومی جنگ“ پر مقدمہ دائر کرنا پڑا جو دوڑ حائی سال تک چلتا رہا۔ اس دور میں (۱۹۷۰ء-۱۹۷۱ء) ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے جس دہائی کرب اور اذیت سے گزرنا پڑا اس کیفیت کو اب میں زندہ کر کے نہیں دکھا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے سوا کوئی اور ہوتا تو وہ ان تابز تو جھلوں کی تاب نہیں لاسکتا تھا۔ مگر میں نے کبھی اکبر علی خاں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں چھپایا نہ کہیں ان کی شکایت لکھ کر بھیجی۔ (نئی خطوں میں کسی کو کچھ لکھا ہو تو اور بات ہے) میں آج بھی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ان کے طرز عمل کا مجھے انہیں ضرور ہے گا مگر ان سے نفرت یا کینہ میرے دل میں نہیں ہے (اس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں)۔

اسی طرح اب میرے کرم فرما لطف الزماں خاں صاحب نے محاذ بنایا تو مجھے بہت رنج ہوا مگر اللہ عزت یاکینہ ان سے بھی نہیں ہے۔

شہد است سید ظہوری پڑ از محبت یار

برائے کینہ اخبار و دلم چاہیست

دو ماہ قبل محترم سید انیس شاہ جیلانی (محمد آباد پاکستان) نے اپنے خط میں اس مضمون کا ذکر کیا تو میں نے انہیں لکھا کہ میں نے وہ مضمون نہیں پڑھا اور پڑھنا بھی نہیں چاہتا۔ میں نے لطف الزماں خاں صاحب کو معاف کیا اور میری دعا ہے کہ اللہ بھی ان سے

مواخذہ نہ کرے:

ہر کہ مارا پار ہو داجو آو را پار باد۔ وانکہ مارا رنجہ دارو را عشق بسیار باد

ہر کہ آو خارے قہد در راہ ما از دشمنی ہر گلے کن باغ عمرش مشکفہ ہے خار باد

(ترجمہ: جو ہمارا دوست نہیں! اللہ اس کا والی ہو جو ہمیں رنج دے اُسے بہت ہی راجش

ضیاب ہوں۔ جو دشمنی سے ہمارے عداوتے میں کانٹے بچانے اُس کے باغ زندگی میں ایسے پھول نکلیں جن میں کانٹا نہ ہو)

انجس صاحب نے لکھا کہ ”مجھے یہ سادھو سنتوں کی ہی باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں

اور حقائق کے اظہار میں کوئی دشواری بھی نہیں ہوتی چاہئے میں آپ کو اُس مضمون کا عکس

بھیجوں گا“ پھر انہوں نے اپنے ۱۳۰ اپریل ۱۹۹۰ء کے خط کے ساتھ ”طلوع الکاد“ میں چھپے

مضمون کی زبردست کاپی ڈاک سے بھیج دی۔ میں نے وہ لفاظ کھولے بغیر ہیز کی دراز میں رکھ

دیا اور اپنے دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ ۱۸ جون ۱۹۹۰ء کو یہ خیال آیا کہ ممکن ہے

اس لفاظ میں انجس صاحب کا خط بھی ہو اور انہوں نے کوئی جواب طلب بات لکھی ہو۔

چنانچہ اسے کھولا تو لامحالہ مضمون بھی پڑھا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جن لطیف الزماں خاں

صاحب سے میں واقف تھا وہ کوئی اور صاحب تھے یہ کسی دوسری ہی شخصیت کا لکھا ہوا ہے۔

اس میں اتنی اور ایسی لطائف و پانیاں کی گئی ہیں کہ میں ششدر رہ گیا آخر کس بات کی تردید

کروں؟

”دیوان غالب“ کے بارے میں سب سے زیادہ مفصل اور مستند معلوم بات خود

لطیف صاحب ہی کو ہونی چاہئے تھیں مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انہوں نے تحصب، نفرت

اور جذبہ کردار کشی سے مجبور ہو کر ان حقائق کا چہرہ بھی مسخ کر دیا ہے جن میں وہ خود ایک اہم

کردار ہے ہیں۔ دیوان غالب بخلاف غالب میری کلا و افتخار کا طرہ نہیں ہے میرے پاس کام

کرنے کے لئے دنیا کے بہت سے اہم موضوعات ہیں جن پر ایک طائرانہ نگاہ بھی ڈالنا

ہوں تو عمر گریز اس کی فرست چٹک بقی سے زیادہ نظر نہیں آتی۔ میں نے لطیف صاحب کو لکھا تھا کہ یہ دیوان غالب آپ اپنے نام سے شائع کر لیں، مجھے خوشی ہوگی (اس کا حوالہ انہوں نے اپنے مضمون میں بھی دیا ہے مگر اس وقت انہوں نے کس نفسی کا مظاہرہ کیا؟ اگر وہ ازراہ دوستی مجھے یہ لکھتے کہ اسے طفیل صاحب کو دینے کا کریڈٹ وہ اپنے لئے رکھنا چاہتے ہیں تو دلوں کے بھید جاننے والا گواہ ہے کہ میں اس کا کریڈٹ ان کے لئے چھوڑ دیتا۔ انہیں حقائق کو توڑ مروڑ کر اتنے مضامین لکھتے اور اپنے دل کو نفرت و کدورت کا مزہ بنانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کراچی میں بعض اصحاب نے مجھ سے ملنے کے لیے جلسہ کیا تو وہاں یہ خواہش بھی کی کہ میں دیوان غالب بخیر غالب کی کہانی بیان کروں۔ اس سارے قہقے میں میری کامیابی کے دو اہم نکتے ہیں: ایک تو یہ کہ میں نے اس سے مالی منفعت حاصل کرنے کا لالچ نہیں کیا، میں نے اس دیوان کے معاوضے یا رائلٹی کے نام پر محمد طفیل مرحوم سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا اور ان سے یہ کہا تھا کہ جب کبھی توفیق احمد راہ راست پر آ جائیں اور ان کا لاہور آنا ہو تو آپ جو مناسب سمجھیں انہیں دے دیجئے گا۔ اور مارچ ۱۹۹۰ء کو توفیق احمد پہلی بار لاہور گئے۔ میں نے عزیزم جاوید طفیل کو لکھا کہ میری طفیل صاحب سے یہ کھنگو ہوئی تھی اب آپ جس طرح سوچیں وہ کریں۔ جاوید میں خدا کے فضل سے محمد طفیل مرحوم کی ساری خوبیاں موجود ہیں، بلکہ ایک دو صفات زیادہ بھی ہیں انہوں نے توفیق احمد سے ایسا سلوک کیا کہ وہ خوش ہو کر واپس آئے اور جاوید کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر لطیف صاحب انہیں اب تک یہی گھڑ رہے ہیں کہ تمہیں سب سے پہلے ثار احمد فاروقی نے دھوکا دیا اور لوٹ لیا۔ توفیق احمد مجھ سے ہی نہیں میرے خاندان سے بھی واقف ہیں، وہ ان کی باتوں کا کیسے یقین کرتے؟

دوسرا نکتہ یہ کہ میں نے اس قہقے میں نہ کبھی جھوٹ بولا نہ غلط ہے کام لیا اور تحقیق کرنے والے سرکاری اداروں سے بھی وہی بات بیان کی جو سچی تھی۔ مجھے تحقیق کا

ایک افسر تو مجھ سے یہ کہہ کر گیا کہ ”تلاں شخص کتنا جھوٹا آدمی ہے میں اسکی رپورٹ کھوں گا کہ یہ قاتل ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔“

مجھے بھی یہ وہم بھی نہ ہوا کہ ان سیدھی سچی باتوں کا کسی شخص پر کوئی منفی اثر ہو رہا ہے کراچی کے جلسوں میں بھی حسبِ عادت میں نے سیدھی سادی کہانی بغیر تکمریج لگائے بیان کر دی ”لطیف صاحب کو اس کی اطلاع اخباروں سے یا کسی اور ذریعہ سے ملی تو انہوں نے کسی سے اپنے غم و غصے کا اظہار کیا مگر مجھے کچھ نہیں لکھا جو میں آئندہ احتیاط کرتا۔ صرف ایک بار اتنا لکھا تھا کہ ”مجھے کوئی جھوٹا ثابت نہیں کر سکتا“ اب جب کہ اس کہانی کے بعض اہم حصے طاقی نسیاں کا گلہ ستہ بن چکے اور کئی اہم کردار (خصوصاً میرے دوست محمد طفیل ایڈیٹر نقوش) اس دنیا میں نہیں رہے تو لطیف صاحب نے ایک نئی داستان گز کر اسنے وثوق اور اعتماد کے ساتھ سنائی ہے کہ غلط بیانی کے لئے اس سے زیادہ بڑا اعتماد اور مضبوط موقف اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ:

دہرائی جا سکے گی نہ اب داستانِ عشق

کچھ وہ کہیں سے بھول چکے ہیں کہیں سے ہم

میں نے ابھی عرض کیا کہ دیوانِ غالب میرے لئے کوئی طرزِ فہم و افکار نہیں ہے ورنہ میں لطیف صاحب کو ان کے نام سے چھاپ لینے کی پیشکش کیوں کرتا؟ وہ تو اس وقت ”مقطع میں سخن مسترانہ بات“ آپڑی تھی اور دکار کا مسئلہ بن گیا تھا اس لئے میں نے اتنی دلچسپی لی تھی۔ اگر اکبر علی صاحب کاروپہ دوستانہ رہتا۔ تو شاید یہ دیوان وہی شائع کرتے مگر انہوں نے بھی مجھ پر اعتماد نہ کیا اور اپنی روشنی طبع پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کر کے اپنا کام بگاڑ لیا۔ اس ساری زور واد کا میں نے کوئی ریکارڈ بھی محفوظ نہیں رکھا۔ کچھ تھا تو وہ بعض ایسے دوستوں کو دے دیا جنہوں نے اس دیوان کی کہانی کا ارادہ ظاہر کیا۔ مجھ سے ایک آدمی ہزار لوگوں نے کچھ تفصیل معلوم کی تو میں اب بہت سی باتیں فراموش کر چکا تھا اور یہ بھی یاد نہ رہا

تھا کہ وہ دیوان کیسے بھیجا گیا تھا لطیف صاحب کا بہت مضمون ہوں کہ انہوں نے مجھے پھر کھوجنے پر لگا دیا اور میرا حفظ تازہ کر دیا۔

لطیف صاحب کے مضمون میں اگر صرف اتنا ہی دعویٰ ہوتا کہ محمد طفیل مرحوم کو ”دیوان غالب بخند غالب“ کا نکس انہوں نے فراہم کر کے دیا تھا تو میں اب بھی ان کی تردید میں قلم نہ اٹھاتا۔ میں ان کی افتاد طبع سے کسی حد تک واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ میں اگر خلاف کعبہ اور عرش و کرسی کے سامنے گزے ہو کر قسم کھاؤں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے تو وہ ہرگز تسلیم نہ کریں گے اور مزید جھگڑے دار شروع کر دیں گے۔ انہوں نے میری کردار کشی کے لئے اتنا صریح اور سفید جھوٹ بولا کہ میں ماضی کے کہاڑ خانہ کو کھنگالنے پر مجبور ہو گیا۔ اس میں ابھی بہت کچھ دفن پڑا ہے مگر جتنا سوا ہاتھ آیا وہ ایسا تھا کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں اپنے قلم سے ان کے خلاف کچھ لکھنے کے لطیفہ دو اور مکر وہ کام سے بچ گیا۔ انہوں نے خود ہی اپنی تردید ایسی کر دی کہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی نہ کر پاتا اور ان کے طفیل میں ”دیوان غالب بخند غالب“ کی سچ زور واداشاعت بھی سامنے آ گئی جس کے لئے وہ ہم سب کے شکرے کے مستحق ہیں۔ اب یہاں جو کچھ لکھا جائے گا وہ سب لطیف الزماں خاں صاحب ہی کے الفاظ ہیں مجھے کچھ عرض کرنا ہوگا تو چاہئے میں نکسوں گا۔

مناسب ہوگا کہ میری بلکہ خود لطیف صاحب کی یہ تحریریں پڑھنے سے پہلے ان کا وہ طویل مضمون ایک بار پھر پڑھ لیا جائے جو پہلے ”طلوع افکار“ (کراچی) میں پھر شان بہند (دہلی) اور کوہ سار (بھاکھ پور) میں چھپا تھا میں سارا مضمون یہاں نہیں دہرا سکتا چنانچہ ہم کچھ انتخاب کر کے ابتداء میں درج کرتا ہوں جس سے ظاہر ہو جائے کہ انہوں نے مجھ پر کیسے الزام تراشی ہیں جو کسی ایسے شخص کو ذریعہ نہیں دیتے جس کا تعلق ایک تعلیم و تربیت کے ادارے سے رہا ہو۔ اگر یہ الزامات خود ان کی تحریروں سے ہی غلط ثابت ہو جائیں تو جو

ہاتھیں رو جائیں گی ان کی صحت بھی خود بخود مشکوک ہو جاتی ہے۔ اگر لطیف صاحب نے کوئی نیا لطیف چھوڑا تو ابھی فقیر کی دخیل عالی نہیں ہوئی ہے۔

لطیف الزماں صاحب کے مضمون سے چند اہم تنقحات

(۱) میں نے خط پڑھ کر کہا ”یار طفیل صاحب — بٹائیے اس خط کو میں آپ کو یہ دیوان فراہم کروں گا۔ میں نے طفیل صاحب سے پوچھا: آپ نے ٹارا سحر فاروقی کو کیوں نہیں لکھا؟ وہ تو آپ کے زیادہ قریب ہیں؟“ کہنے لگے: وہ صرف روپے کے قریب ہے۔ اُسے صرف روپے سے پیار ہے نہ کسی انسان سے نہ کسی اور چیز سے یہ طالب علم تھا کسی لائبریری میں کلرک تھا میں نے قریب جان کر اس کی مالی مدد کی لیکن مجھے بہت بعد میں اعزازہ ہوا کہ وہ اتھارٹی حریص انسان ہے۔“^(۱)

(۲) میں نے اپنے ایک عزیز کو جو علی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ میرے لئے دیوان

۱۔ محمد طفیل مرحوم سے لطیف صاحب کا تعارف میں نے کر لیا تھا اور یہ پہلی بار ۱۹۶۷ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ان سے ملے تھے۔ لطیف صاحب نے ”کلرک“ فقیر کے لئے کہا ہے میرے نزدیک یہ کوئی تنگ و عار والی بات نہیں۔ میں نے ۱۹۶۶ء میں اپنی ملازمت سے استعفا دے کر ایم اے (عربی) میں داخلہ لیا تو محمد طفیل نے میری طلب کے بغیر دو سال تک مجھے سہروپے بلاتے بھگوائے۔ میں ان کا مضمون کرم تھا اسی لئے کبھی کسی مضمون یا کسی خدمت کے لئے ان سے معاوضہ طلب کرنے کا مجھے خیال بھی نہیں آیا۔ بس اتنا ہوا کہ وہ ہندو کے سوا میں پاکستان میں ان کا سہماں ہوتا تھا اور وہ مرحوم میزبانی کا حق ادا کر دیتے تھے۔ طفیل صاحب کے سوا اور کسی سے ایسا رشتہ کبھی ظاہر نہیں کی وہ مجھے ”اتھارٹی حریص انسان“ سمجھتے ہیں۔ اور میں یہ بھی گوں گا کہ اس مرحوم نے میری کسی لڑائی کو ذرا بھی نہیں کیا خواہ وہ کسی دوسرے کے لئے ہو۔ اس کی متعدد مثالیں دے سکتا ہوں ان کی اس محبت کا پانڈا تھا کہ لوگ سمجھتے تھے ”فقیر“ میرا ہی رسالہ ہے۔ اور اس میں تو شک نہیں کہ ادبی دنیا میں سب سے پہلے مجھے ”فقیر“ نے زور دیا تھا۔

غالب بخظ غالب خرید لیں۔ میرے تاجر پیشہ عزیز نے سوچا کہ غالب کا دیوان تو مجھے آنے میں ملتا ہے مجھے ہزار میں کیوں خریدا جائے؟ انہوں نے نہ خریدا اور وقت گزرتا رہا۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے ”دیوان غالب بخظ غالب“ نہیں خریدا تو میں نے انہیں سخت اور ڈرشت لہجے میں خط لکھا۔ وہ دلی گئے تین دن کی تلاش و جستجو کے بعد وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی خاں نے وہ دیوان غالب کے فوٹو اسٹیٹ بنوائے تھے اور اسے ایک پیسہ نہیں دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو اخبارات سے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ قیمتی چیز ہے اس نے قریب (۶۳) صفحات کے فوٹو اسٹیٹ رکھ لئے ان صفحات کو میرے عزیز نے حد مات گئے داسوں خریدا اور ایک بڑی بی کے ہمراہ مجھے بھیج دیا۔

(۳) جب فوٹو اسٹیٹ مجھے ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن مفیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد آگئے ہوئے تھے۔ میں یونیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور سید سجاد باقر رضوی صاحب سے ملنے چلا گیا وہاں ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے ”دیوان غالب بخظ غالب“ کی فوٹو اسٹیٹ کا بیاں دکھلائیں۔ ان سے کہا کہ میں نے مفیل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوان فراہم کر دوں گا وہی اسے شائع کریں گے۔

(۴) میں نے دوسرے دن مفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا ”اور اطلاع دی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش تھی وہ آگئی ہے۔ مفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا۔ چاروں حضرات کی موجودگی میں وہ اتفاقاً ان کے سامنے رکھ دیا۔ جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔ تھوڑی دیر جب بغور دیکھ چکے تو بولے: ”آپ دس ہزار روپے لے لیجئے۔“ میں نے کہا: مفیل صاحب آپ نے میرا دل دکھایا ہے اگر دس ہزار روپے خرچ کرنا چاہتے ہیں تو پھر وہی سے منگائیے۔ اور اگر یاری ہے تو لے جائیے۔“

(۵) خط شکست پڑھے گا کون؟ مفیل صاحب نے پوچھا۔ میں نے کہا: اس کو میں غرض خط لکھ دوں گا آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے۔

(۶) ایک دن طفیل صاحب کا ٹیلیفون آیا کہ وہ ”علاش غالب“ میں شامل ”دیوان غالب بخط غالب“ کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے ثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ”علاش غالب“ میں چھپوا رہا تھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھیج چکے ہیں۔ معلوم ہو کہ فاروقی نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے۔ نیز یہ کہ وہ پورے دیوان کے حواشی لکھ چکے ہیں وہ بھی شامل اشاعت ہوں۔

(۷) ثار احمد فاروقی بڑے باکمال انسان ہیں۔ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ دیوان کے فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کو مل گئے ہیں تو ایک جانب انہوں نے اپنا مضمون ”دیوان غالب بخط غالب“ نسخہ امروہا اور حوالے و حواشی کی نقوش میں اشاعت کے لئے طفیل صاحب کو آمادہ کر لیا دوسری جانب مجھ پر بھی کرم فرمایا۔

(۸) میرا خیال ہے کہ جو بھی سرمایہ کسی بھی شکل میں طفیل صاحب کے پاس اس زمانے میں موجود تھا اگر وہ سب کا سب اکبر علی خاں کو بیچتے تب بھی شرائط پوری نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے کہا آپ دیوان غالب بخط غالب شائع کیجئے۔ تمام تر ذمے داری میری ہے؟

(۹) طفیل صاحب نقوش غالب نمبر حصہ دوم نو دریافت ”یا خاں غالب بخط غالب“ شمارہ نمبر ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کر چکے تھے۔ ایک روز ثار احمد فاروقی کے بچا ابراہیم فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آؤ۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ ابراہیم فاروقی صاحب نے۔۔۔ دیوان غالب بخط غالب کے فوٹو اسٹیٹ اور ایک فلاسک میرے سپرد کیے۔ ثار احمد فاروقی نے لکھا تھا: ”اسے آپ اپنے نام سے شائع کیجئے مجھے خوشی ہوگی۔“ جو بال وہ بچہ رہے تھے میں اس سے بے خبر تھا۔

(۱۰) ۱۵ جون ۱۹۷۰ء کو زندگی میں پہلی بار ثار احمد فاروقی سے طفیل صاحب کے گھر ملا۔ حضرت فاروقی ثابت کر رہے تھے کہ اکبر علی خاں ایک سازشی انسان ہے اور یہ کہ انہوں

نے توفیق احمد کو دھوکا دیا۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ خود انہوں نے جو فوٹو اسٹیٹ حاصل کئے کیا توفیق احمد کی اجازت تھی؟ یقیناً ڈاکٹر احمد فاروقی نے توفیق احمد کو پہلے دھوکا دیا پھر اکبر علی خاں نے۔

(۱۱) ۱۲ جولائی ۱۹۹۷ء کو طفیل صاحب نے تین سو شعراء لوباہ اور اداروں کی ایک فہرست بنائی جب مجھے معلوم ہوا کہ نقوش کا شمار نمبر ۱۱۳ جس میں بیاض غالب بخظ غالب شائع ہوئی احمدوستان بھیج رہے ہیں۔ طفیل صاحب نے فہرست حوالے کرتے ہوئے کہا: بچاس نسخے تمہارے ہیں اس فہرست میں جن دوستوں اور اداروں کے نام ہیں ایک ایک نسخہ انہیں پہنچا دینا۔

(۱۲) طفیل صاحب نے کہا: تم نے حواشی لکھے یہ پانچ ہزار تمہاری محنت اور مضمون کا معاوضہ ہے۔ توفیق احمد ایک غریب آدمی ہے اس نے ابتداء میں دیوان غالب کی قیمت مجھے ہزار طلب کی تھی یہ مجھے اسے دے دینا۔ مجھے ایک قرض بھی ادا کرنا ہے جب میں خطوط نمبر شائع کر رہا تھا تو مالک رام صاحب نے مجھے خطوط بھیجے تھے مجھے انہیں بکھرے رقم دینی ہے گو انہوں نے طلب نہیں کی پھر بھی یہ آٹھ ہزار روپے مالک رام صاحب کو دے دینا۔ اتیس ہزار روپے طفیل مرحوم نے میری اور بھابی جان کی موجودگی میں دیے۔^(۱)

۱۔ لطیف صاحب نے جو بڑا سچے چٹیل میں سہائی ہے اس میں باوجود بھابی جان کو شریک کر لیا ان کے سامنے بھی ۱۹ پیسے کا بھی لین دین نہیں ہوا اور طفیل صاحب بھی کیسی ادا انگلی کر رہے تھے کہ کسی دوسرے ذریعے سے توفیق احمد کو کھانا مالک رام صاحب کو اطلاع دی۔ اب میں برس کے بعد لطیف صاحب کو اطلاع دی۔ اب میں برس کے بعد لطیف صاحب اس کے بھی شاہد بن رہے ہیں۔ اس کے باوجود کہ لطیف صاحب نے دہلی میں انہیں یہ اطلاع دی مالک رام صاحب نے کھانا کھا کر تو کہا کہی نہ مجھ سے بچ پھانڈ کس سے اس بھابی کی فلاحت کی اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے لطیف صاحب کی بڑی مبالغہ انگے سلو

(۱۳) جمادی الثانی ۱۲۳۵ھ جولائی ۱۹۷۵ء (کذا) کو میں طفیل صاحب اور ڈاکٹر احمد فاروقی گنڈا سنگھ

گنڈا سنگھ سے یہ دستہ حاشیہ

باقوں کو لطیف سے زیادہ نہیں سمجھا اور نہ آٹھ ہزار ایسی معمولی رقم نہ تھی کہ اس پر خاموشی سے صبر کر لیا جاتا۔ ۱۹۷۰ء کے آٹھ ہزار تو آج کے اسی ہزار سے زیادہ تھے۔ ”حاشیہ غالب“ میں نے اشاعت کے لئے لطیف صاحب کو دی تھی مگر یہ اتنی برا ملاطہ تھی کہ میرا سہ دیکھنے کو بھی سی نہیں چاہتا نہ کسی کو دکھائی اس کے تین سو کتابیں نئے بھی مجھے نہیں ملے۔ کتاب کو پر بس کے چنگل سے محمد طفیل مرحوم نے نظر ادا کی کر کے چھڑایا۔ لطیف صاحب نے پوری کتاب بچائی اور ایک چھوٹے دارالتعلیمی کانٹریکٹ دیا۔ نہ میں نے طلب کیا۔ اب میری اطلاع کے مطابق اسی سال رمضان میں اس کا دسرہ ایڈیشن چھپا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کچھ کتابیں لاہور کے اداروں میں تقاضا ملی تھیں، کچھ میں نے دفتر ”نقوش“ کے ادارہ میں سے نکالی تھیں اور بہت سی تحویلی خریدی تھیں انہیں کے پاور کو بیٹے تھے اور میں اور کے بارے میں صرف ایک کچھ سمجھا تھا۔ پانچ تقریباً تین سو کتابوں پر مشتمل تین کریت اردو بازار لاہور لاہور کے ایک پرانے سے مکان کی پلائی منزل پر لطیف صاحب کی تحویل میں چھوڑ آیا تھا۔ پھر ان میں سے ایک کتاب بھی مجھ تک نہ پہنچی تھی۔ رہا یہ کہ میں نے تین سو نقوش تین سو روپے فی جلد کے حساب سے بچ کمائے۔ ”لطیف صاحب نقوش کے دفتر سے وہ تین سو روپے فراہم کر دی جنہیں نقوش بھیجا گیا تھا اور میں نے نہیں پہنچایا۔ ان کے بعد حسانی عزیز اسے مستعد ہیں کہ صرف تین دن کی تک۔ ۱۱۵ سے ۹۵ لاکھ کی آبادی وہی میں اس فنوٹر گراف کا پتہ نکال سکے ہیں جس نے اکبر ملی ناس کے لئے فنوٹاسٹیت چار سکے تھے۔ میری گزارش ہے کہ انہیں کے ادارہ میں سہ افراد اور اداروں میں سے صرف تین کا سراغ لگوا لیں جن کے ساتھ میں نے ”نقوش“ غالب نمبر تین سو روپے میں عطا ہو۔ یہ اطلاع بھی غلط ہے کہ میں نے ”رسول نمبر“ کے لئے دس ہزار طلب کئے تھے۔ کتابیں میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ ذیل حدود ہزار سے زیادہ کی تھیں۔ رسول نمبر میں میری تین کتابیں اور وہ مطابق شامل ہیں۔ ایک بار حکومت پاکستان کا مہمان تھا اور لاہور ملین Hason میں میں ٹھہرایا گیا تھا یہ تمام چھ کھیلے سے زیادہ ذرا ہا۔ طفیل صاحب وہیں ملنے کے لئے آئے ذیل حدود کھیلے لاؤنگ میں بیٹھے چائے پیتے رہے گپ کرتے رہے۔ پچھلے وقت انہوں نے بڑے مصمم لہجے میں کہا: ”بس اب گھر چلئے“ میں نے اس وقت ہوئی کی چاہوں کا ذکر کے حوالے کر دی اور ان کے ساتھ آ گیا تھا۔

والا بچے۔ بڑے بڑے کریش جن میں نقوش غالب نمبر ۱۰ کتابیں اور تلاش غالب کے تین سو نسخے ٹار احمد فاروقی نے اتنی آسانی سے سرحد کے اس پار بھجوا دیے کہ میں اور طفیل صاحب دیکھتے رہ گئے۔ طفیل صاحب نے بڑی معنی خیز فہمی کے ساتھ کہا: اگر کس کتاب میں ہوتیں اور تین کروڑ روپے ہوں تب بھی ٹار احمد فاروقی بلا کھٹکے لے جائے گا۔ تم اسے نہیں جانے۔“

(۱۳) ٹار احمد فاروقی نے ہندوستان پہنچ کر ایک نسخہ بھی کسی شخص یا ادارے کو نہیں دیا۔ تمام نسخے تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے فروخت کر دیے مجھے نہیں معلوم تو مفتی احمد صاحب کو مجھے ہزار روپے دیے یا نہیں البتہ مالک رام صاحب کو ایک پیسہ نہیں دیا۔

اگست ۱۹۸۳ء کو میں نے مالک رام سے پوچھا: کیا آٹھ ہزار روپے ٹار احمد فاروقی نے آپ کو ادا کر دیے؟ مالک رام صاحب نے کہا نہیں مجھے تو انہوں نے ایک پیسہ نہیں دیا۔

(۱۵) میں نے ایک دن طفیل صاحب سے پوچھا: آپ نے بیاض غالب کے فوٹو اسٹیٹ ٹار احمد فاروقی سے کیوں نہیں طلب کئے؟ کہنے لگے: ”اکبر علی خاں کا شرائط نامہ تو تم حکیم صاحب کے گھر چھپکے ہو اگر میں فاروقی کو کہتا تو وہ اس سے سو گنا زیادہ قیمت طلب کرتا میں تو اکبر علی خاں کی ہی شرائط پوری نہیں کر سکتا تھا ٹار احمد فاروقی کی شرائط کہاں سے پوری کرتا؟ تمہارے سامنے پچاس نسخے نقوش کے اور پانچ ہزار نقد دیئے مگر وہ اس سے خوش نہیں ہوا ہوا گا یہ کسی اور وقت کام دکھائے گا۔“

(۱۶) جب طفیل صاحب ”رسول نمبر“ شائع کر رہے تھے تو انہوں نے ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر ہوائی جہاز کے ذریعے سے دلی بھجوائیں کرایہ بھی خود ادا کیا جب کتابیں دلی پہنچ گئیں۔ تو ٹار احمد فاروقی نے انہیں لکھا: دس ہزار روپے اور بھیجو تو مضمون سمجھوں گا اور کھواؤں گا۔“ طفیل صاحب نے اس مطالبے کے بعد بھی فاروقی سے بات کرنا

بھی پسند نہ کیا، مرحوم کو آخری لمحے تک یہ فحش و ہاک نفوس اشخاص اور اداروں کو نہیں پہنچا۔
 ڈار احمد فاروقی لاہور آئے ضرور مگر قیام ہوئیں میں کیا۔

(۷) گیلانی صاحب اگلے دنوں کے محقق ہیں انہوں نے سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لیا۔ تحقیق کرنا مناسب نہ سمجھا ایک طویل فہرست دی ہے کہ ڈار احمد فاروقی نے وقار عظیم حمید احمد خاں، شیخ محمد اکرام، سلیم اختر وغیرہ سے ملاقاتوں میں اس کا ذکر نہیں کیا کہ فوٹو اسٹیٹ انہوں نے فراہم کئے ہیں۔ یہ عجیب دلیل ہے اور اس میں تو دنیا کی آبادی کے پانچ ادب انسانوں کا نام اضافہ کیا جاسکتا ہے جن سے میں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ گیلانی صاحب اگلے دنوں کے ہوں گے مگر آپ تو لڈارن محقق ہیں آپ سے بھی کسی نے کہا ہوگا کہ رضا لاہوری میں بڑے بڑے تالے پڑے ہیں اور وہاں سے کتنے ہی مخطوطات غائب ہیں۔
 آپ نے سنی سنائی بات پر اعتبار کر لیا؟

(۱۸) کراچی میں حضرت کا قیام ایک بہت بڑے بیورو کریٹ کے ہاں ہوتا ہے اہل غرض کو کسی نے سمجھا دیا کہ بیورو کریٹ صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت ڈار احمد فاروقی کی دعوت کی جائے۔ اہل غرض حضرت صاحب کی آڑ میں بیورو کریٹ صاحب کو رام کرنے کے لئے دھتور کا انتظام کرتے رہے۔

(یہ معلومات بھی ناقص ہیں۔ میں کراچی میں اپنے بھائی کا مہمان ہوتا ہوں۔ یہ اہل غرض کون ہیں؟ جہان کو رام کرنے کے لئے میری دھتور کا انتظام کیا کرتے ہیں: ڈاکٹر جمیل جالبی، شان الحق حقی، ڈاکٹر اسلم قرنی، جناب مشفق خواجہ، جناب حمید الدین شاہد وغیرہ۔
 لطیف صاحب نے ان حضرات کی اچھی عزت افزائی فرمائی)

(۱۹) جب انہیں یہ علم ہو گیا کہ ظلیل صاحب کو فوٹو اسٹیٹ مل چکے ہیں تو اکبر علی خاں ہی کی طرح ڈار احمد فاروقی کو مایوسی ہوئی۔

(ماہوسی کیوں ہوئی؟ بقول آپ کے ۱۹ ہزار فقرہ مارے کھوے ہزار کے تین سو

نفوس بیچنے پچاس نئے غالب نمبر ۲ کے الگ سے ساڑھے چھ ہزار کی کتابیں منگوائیں۔ ایک لاکھ ساڑھے پندرہ ہزار تو بچی ہو گئے (وہ بھی ۱۹۷۰ء میں جب روپے کی قیمت آج سے دس گنی تھی) اور کیا کوئی نو اور تخت طاؤس طلب کرتا یا لاہور کا پتہ لکھواتا؟

اس مضمون کی اشاعت کے بعد جولائی نومبر اور دسمبر ۱۹۸۹ء کے ”طلوع افکار“ میں لطیف صاحب اور بعض دوسرے حضرات کے خطوط بھی چھپے ہیں ان سے چند اقتباسات۔

(۲۰) میں ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہوں ”اردو کے تین دروغ کو“ اس سلسلے کی ایک کڑی تو حضرت ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ہیں دوسرے صاحب ہیں ڈاکٹر سید معین الرحمن تیسرے دروغ کو آل احمد سرور صاحب ہیں۔“ (اکتوبر ۱۹۸۹ء)

(اس مضمون کے چھپنے کے بعد تو شاید اس تعداد میں کچھ اضافہ ناگزیر ہوگا! نثار) ”رشید نامی جلد ساڑھ جب واپس جانے لگا تو مرحوم طفیل صاحب نے بیاض غالب بخار غالب کے پچاس نئے اسے دیے۔ ایک نمبر ست بھی بھیجی تھی طفیل صاحب نے۔ اس میں کئی نام ایسے تھے جو کثرت دیے مثلاً عصمت چغتائی، بھلا عصمت کو غالب سے کیا تعلق؟“

نثار احمد فاروقی آتے ہیں تو۔ پاکستان میں وہ کہیں جائیں ان کے لئے ہوائی جہاز سے آمد و رفت کا کٹھ منگاتے ہیں اور پھر ان کی ہر فرمائش پوری کرتے ہیں۔ کتابیں تو اب بھی ڈیمرون کے حساب سے جاوید ساتھ کر دیتے ہیں۔

(رشید والے قصبے کی وضاحت آگے نمبر (۷۲) پر آئے گی۔ نئے (۵۰) نہیں (۲۹) جیسے تھے۔ یہ میں نے نہیں کہا کہ عصمت کو غالب سے کیا تعلق؟ یہ کہا تھا کہ جتنے نئے اس نے لا کر دیے نمبر ست میں سے اتنے ہی لوگوں کو منتخب کر کے میں نے بھیج دیے تھے۔ پاکستان میں صرف ایک بار جاوید نے لاہور سے کراچی کا آمد و رفت کا نہیں صرف ”رفت“

کا ٹکٹ منگا کر دیا ہے۔ ایک بار میں حکومت پاکستان کا مہمان ہو کر گیا تھا، ایک اور بار سارے ٹکٹ ہندوستان سے خرید کر لے گیا تھا، تین بار ریل سے گیا ہوں اور واپسی کے ٹکٹ محمد طفیل صاحب نے فراہم کئے ہیں۔ کتا میں تو جاوے آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے ساتھ کر دیے ہیں ورنہ میرا کتاب سے کیا علاقہ؟ ہندوستان لا کر میں وہ کتا میں بیچ کھاتا ہوں۔ واقعی انسان آخرت کی زندگی سے بے نیاز ہو جائے تو کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔

یہ لطیف الزماں خاں صاحب کے مہلوہ مضمون اور اس سے متعلق ان کے خطوط کا ”صطر مجموعہ“ تھا، کئی ہاتھ طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں، اگر لطیف صاحب کی تسلی نہیں ہوگی تو اسی مضمون کو ”پتھر کلاں“ بھی لکھا جاسکتا ہے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جاوودہ جو سر چڑھ کر بولے
اب منہ بجا بالا الزامات کی تردید خواہ لطیف الزماں صاحب کے ”خدا، حقیقت
نگار“ سے ملاحظہ فرمائیے، میری حیثیت صرف ناقل کی ہے۔ اقتباسات کے آخر میں تو حسین
کے اندر عبارت میری ہے۔ تو:

چل مرے خاے، ہم اللہ

(۲۱) ”وید و دریافت“ کو میں نے ابھی ختم نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھی کتاب اگر
جلد ختم ہو جائے تو پھر اس کے لطف سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں
امید ہے کہ آپ برائے نامیں کے کتاب کو کسی شخص کے نام معنون کرنے کا میعاد (کذا) کیا
ہونا چاہیے؟ اس کا ظم اس کی خدمات؟ ذاتی لگاؤ دوستی ذاتی رفاقت؟۔

[مکتوب ۱۳۵ (۱۶ دسمبر ۱۹۶۸ء)]

(”وید و دریافت“ میرے مضامین کا مجموعہ ہے، جو ۱۹۶۳ء میں دہلی سے شائع

ہوا تھا اس کا حساب محمد طفیل (ایڈیٹر نقوش) کے نام تھا۔

(۲۲) ڈاکٹر سید عبداللہ نے تو یہ غضب ڈھایا کہ ایک جانب مرزا ادیب۔ جیسے کٹر اور

انسان سے مقدمہ کھسوا یا حالان کہ انہیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ پھر جو باتیں وہ خود برتائے مصلحت صاف صاف نہیں کہتا چاہتے تھے اس کے لئے ڈاکٹر وحید قریشی کو منتخب کیا وحید قریشی صاحب کی تنقید کا مرکزی نقطہ پیدائش اور موت ہے لیکن اس تحقیق کے بعد دوسرا کام وہ صرف یہ کرتے ہیں کہ اپنی اچھا پسند طبیعت سے بھجور ہو کر باپ و دادا کو گالی دیتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہیں گے کہ انہوں نے اپنی بات بڑے ہی اعتماد سے کہی ہے۔ لیکن اگر ایک شخص بڑے ہی بڑے اعتماد لے کر دروغ گوئی کرے تو کیا اس دروغ گوئی کا اعتراف ممکن ہے؟ بعض حضرات بڑے ہی (Confidence) کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔" [مکتوب ۱۲۳، ۱۹۶۸ء]

ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کی کس کتاب پر تبصرہ ہو رہا ہے سر دست بتانے سے قاصر ہوں۔ مگر یہ عرض کرنا ہے کہ دروغ گوئی کا اعتراف شخصیت کو مذ نظر رکھ کر ہوگا۔ اگر وہ دروغ وحید قریشی کا ہوگا تو ہرگز نہ مانا جائے گا مگر لطیف الزماں خاں کا ہو تو اللہ تعالیٰ کو بھی اعلان کر دینا چاہئے کہ جھوٹ بولنا حلال ہے۔ ایک چیز جس سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی وہ نام و نمود کی فمائش ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ کہیں میرا نام آئے۔

[مکتوب ۱۱۸، اپریل ۱۹۶۹ء]

(۲۳) آپ کا وہ خط جس میں آپ نے "دیوان غالب" کے اس نسخے کے بارے میں تحریر فرمایا تھا جو خود غالب کے قلم سے لکھا ہوا ہے مجھے نہیں ملا البتہ یہاں اشعارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ یہ نسخہ امرودہ میں دریافت ہوا ہے۔ امید ہے آپ دوبارہ اس کی تفصیل تحریر فرمائیں گے۔ [مکتوب ۱۲۹، اپریل ۱۹۶۹ء]

(۲۵) اللہ نے یہ کام آپ کے لئے رکھا تھا کہ غالب کا دیوان اور مکمل دیوان غالب کے قلم سے لکھا ہوا نسخے اور آپ اسے ترتیب دیں۔ آپ کے ہم وطن جنہیں یہ نسخہ ملا ہے خوش قسمت ترین انسان ہیں بلکہ یوں کہئے کہ اس صدی کے وہ سب سے خوش نصیب انسان

ہیں کہ غالب کا دیوان انھیں ملا۔ یہ تو صحیح ہے کہ ان غلطوں کی جتنی بھی قیمت لے وہ کم ہے مگر مظلوم تو ہو کر آپ کے ہم وطن کو اب تک کیا چشم کیا گیا ہے؟ آپ نے لکھا ہے "میں آپ کے لئے اس کا عکس فراہم کر کے رکھ لوں گا"۔ عکس مجھ تک پہنچے گا یا نہیں؟ لیکن آپ نے یہ جملہ لکھ کر دل خوش کر دیا۔ اگر آپ واقعی یا احسانِ عظیم کر سکیں تو دیر نہ کیجئے گا۔

[مکتوب ۱۲ مئی ۱۹۶۹ء]

(۲۶) آپ کا آخری مضمون دیوانِ غالب نسخہ امر وہ اب تک نہیں پہنچا ہے۔ اس مضمون کا شدید انتقاد ہے آپ نے مقدمہ کے آخر میں میرا ذکر جس محبت اور غلوں سے کیا ہے اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ لیکن خدا گواہ میں اس مرتبہ کا اہل نہیں ہوں جہاں آپ نے مجھے لے جا کر بنھادیا ہے تو سوچئے کہ اتنی بلندی سے گر پڑا تو میری ایک ہڈی بھی سلامت نہ رہے گی۔ (طفیل صاحب) نقوش (کا غالب نمبر حصہ دوم) شائع کرنے والے ہیں اس میں صرف غالب کی تحریریں ہوں گی۔ آپ نے جو خط انھیں لکھا تھا اس کے حوالے سے انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر نسخہ امر وہ کا مکمل عکس آپ انہیں بھیج دیں تو وہ اسے اپنے غالب نمبر حصہ دوم میں شامل کر لیں گے۔ نیز وہ الگ سے بھی مکمل دیوانِ خوب صورت اور شاندار چھاپیں گے اب یہ آپ کا اور ان کا معاملہ ہے۔ میں کچھ نہیں کہتا جو آپ مناسب سمجھیں وہی کیجئے میں نے آپ کو ایک کتاب بھیجی تھی (داستانِ مظیلہ) اس کتاب پر جہاں ناشر کو طباعت کا انعام ملا ہے اگر آپ پسند کریں گے تو میں دیوانِ غالب کو آرٹ عیجہ پرائیجیاتی شاندار اس ادارے سے چھپاؤں گا اور ایسا کہ وہ برسوں یادگار رہے اور پھر یہ کہ ان سے راتلٹی بھی اتنی حساب سے طے کروں گا مگر اجازت تو آپ کی دیکر رہے اگر طفیل صاحب کو بھی آپ اجازت دے دیں گے تو کوئی حرج نہیں وہاں دوستی بھائیے یہاں لمن تھوڑا سا وقت نکال کر میں نے آج دکاڑا آفس کا بھی پتھر لگایا جس کی وجہ سے زیادہ وقت نہ مل سکا جاتا تھا کہ غالب کی عرفیاں — کچھ مظلوم کروں مگر مظلوم یہ ہوا کہ غسر اعلیٰ خود اپنے نام

سے انھیں شائع کریں گے۔ انھیں ابھی ٹھکانہ اجازت نہیں ملی لیکن میں مہر نیروز کا مخطوط
میں نے معلوم کیا تو قدرت نقوی صاحب نے وہ میر اپنے سر باندھ لیا۔ چاہتا تھا کہ یہاں
قسمت آزمائی کروں سو وہ افسر صاحب نے درباری کے فرائض چھوڑ کر ملکیت کا اعلان کر
دیا۔ ادھر آپ نے تلاش غالب کے مقدمہ میں خود مجھے بھی کچھ کرنے کا حکم دیا ہے بتائیے
اب کیا کروں؟

ظہیر صاحب نے نقوش غالب نمبر کا ایک جلسہ کرایا میرا نام لئے بغیر اپنے
مضمون میں میرا ذکر کر ڈالا کیونکہ میں نے انھیں سختی سے منع کیا تھا کہ میرا نام نہ آئے۔
میں نے اس لئے منع کیا تھا کہ نقوش میں میرا ذکر نہ کر ڈالیں مگر انہوں نے مضمون میں ذکر
اس طرح کیا کہ لوگوں نے بہانہ لیا۔

[۱۶ دسمبر ۱۹۶۹ء کی درمیانی شب: لاہور]

اس سے ظاہر ہے کہ میں نے مئی ۱۹۶۹ء کے پہلے پتے میں یعنی دیوان غالب کی
دریافت سے ۱۵ دن کے اندر محمد ظہیر کو اشارہ دے دیا تھا کہ عکس نقوش کو دل جائیں گے۔
لطیف اسے ادارہ نگارشات کتابی صورت میں چھپوانا چاہتے تھے یہ ادارہ میاں افتخار الدین
مرحوم کے صاحبزادے سہیل افتخار صاحب کا تھا۔ (نار)

(۴۷) دیوان غالب نسخہ امروہہ کے سلسلے میں اب تک جو محاکات مجھ سے ہوئی ہے وہ یہ
ہے کہ ایک دو حضرات سے میں یہ کہہ چکا ہوں کہ اس کے عکس مجھے ضرور مل جائیں گے لیکن
یہ حضرات ایسے ہیں جنہیں غالب سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا اردو کے کسی عام شاعر سے۔
میں اپنی اس غلطی کے لئے آپ سے معافی خواہ ہوں آئندہ سخت احتیاط برتوں گا۔ آپ
نے میرے لئے نسخہ امروہہ کے عکس بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کے لئے بدل سے ممنون
ہوں۔ یقیناً آپ اس نادر چیز کو ڈاک سے نہ بھیجیں بلکہ کسی صاحب کے توسط سے بھیجیں۔
آپ نے مجھ پر اظہار کیا کہ آپ نسخہ امروہہ میری نگرانی میں شائع کرانا چاہتے ہیں یقین

رکھئے کہ میں زندگی کے آخری سانس تک آپ کے اعتماد کو نہیں نہ پہنچاؤں گا۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو مسودہ اور نمونہ حواشی مقدمہ فہرست اور اشاریہ غرض ہر چیز مکمل بھیجئے۔

[مکتوب ۱۲۳ مئی ۱۹۶۹ء]

طفیل صاحب نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ آپ نے انہیں نئو امرادہ کے عکس دینے پر آمادگی ظاہر کی تھی بلکہ وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے ممکن ہے دہلی کا سفر بھی کریں۔ اگر چند قہاتوں کی وجہ سے آپ عکس انہیں نہیں دے سکتے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آپ کا اور طفیل صاحب کا معاملہ ہے۔ جب آپ کی کتاب ”علاش غالب“ شائع ہوگی اور نئو امرادہ تو انہیں یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کی طباعت میں میرا ہاتھ ہے تو وہ یقیناً آپ سے اور مجھ سے بھی ناراض ہوں گے۔ میں تو خیر کہہ سکوں گا کہ آپ کا حکم تھا۔ آپ انہیں لکھ سکتے ہیں کہ یہ دیوانا غالب چھپنے سے پہلے کہیں اور چھپ گیا تو پھر اس کی اہمیت وہ نہ رہے گی۔ آپ اولین فرصت میں ”دیوانا غالب بخیر غالب“ مضمون بھیجئے۔

[مکتوب ۱۲۳ مئی ۱۹۶۹ء]

(۱۸) میں نے اب تک طفیل صاحب سے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ ہاں میرے پاس بھی شاید اس نئو کے عکس آجائیں گے، لیکن ان کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں یقین ہے کہ آپ اس نسخے کے عکس انہیں یقیناً فراہم کر دیں گے۔ اور یہاں اس کی اولیت نقوش کو حاصل ہوگی۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ صاف کوئی اچھی چیز ہے۔ آپ طفیل صاحب کو لکھ سکتے ہیں کہ اس نسخے کی اہمیت کیا ہوگی اگر اسے الگ شائع کیا جائے اور اس کی حیثیت کیا رہ جائے گی اگر یہ صرف ان کے

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا

تو اُسے نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

نمبر میں شامل کر دیا گیا۔ [مکتوب ۱۱۳ مئی ۱۹۶۹ء]

(۲۹) دیوان غالب بخاطر غالب کے سلسلہ میں — آپ کے احکامات کی سختی سے تعمیل ہوئی آپ اہلینانِ کلمی رکھنے کے کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ میرے توسط سے یہ دیوان چھپ رہا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس کا مسودہ تیار کر لیا۔

ادارۃ ”نگارشات“ کے مالکان سے میرے ذاتی تعلقات ہیں وہ عرصہ سے مجھ سے تقاضا کرتے ہیں کہ غالب پر کوئی کتاب انہیں شائع ہونے کو دوں۔ اب خدا نے یہ موقع دیا ہے کہ ”دیوان غالب بخاطر غالب“ چھپوا سکوں گا۔ میں خود چاہتا ہوں کہ اس کی اشاعت میں دیر نہ ہو اور اقلیت کا سہرا آپ ہی کے سر رہے۔ آپ نے بار بار تاکید کی ہے مگر میں ایک ہی بار یہ عرض کر دوں کہ میرا سید بہت بڑا قبرستان ہے اس میں سے کوئی بات کسی کو معلوم ہو یہ کیونکر ممکن ہے؟ جب آپ کا یہ حکم ہے کہ دیوان غالب نثری امر وہ کی طاعت میثرا رام میں رہے تو پھر ایسا ہی ہوگا آپ کی ہدایات پر حرف بحرف عمل ہوگا۔ نکس آپ جن کے پہلے پختے میں بھیج رہے ہیں؟“

— میں نے طفیل صاحب سے یہ کہہ نہیں کہا سوائے اس کے کہ شاید نکس مجھے بھی مل جائیں البتہ طفیل صاحب نے نہایت بڑے جوش و انداز میں یہ فرمایا تھا کہ آپ نے انہیں انکس فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ انکی نہیں بلکہ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے شاید دلی پہنچیں۔ یہ بات تو ان کے ظلم میں ہے کہ آپ کی اور میری خط و کتابت ہے البتہ انہیں نہیں معلوم کہ غالب کے دیوان کے سلسلہ میں بھی کوئی خط و کتابت ہے۔ آپ خود یہ فیصلہ کیجئے کہ آپ طفیل صاحب کو انکس فراہم کریں گے یا نہیں۔ حالانکہ طفیل صاحب کی تحریر غالب کا ایک شعر یاد دلاتی ہے:

نکلا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب

تسے بے ہر کہنے سے وہ چہرہ پر مہربان کیوں ہو

— مالک نثر نے جتنی بھی رعایت آپ کو دی ہے وہ کچھ کم نہیں۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ

ان کا نقصان ہو اصل نسخہ فروخت سے پہلے ہم دیوان چھپوا لیتا چاہتے ہیں لیکن اسے بازار میں اُس وقت پیش کیا جائے گا جب اصل نسخہ فروخت ہو جائے گا۔ طفیل صاحب کو یا کسی شخص کو یہ علم نہیں کہ نسخہ امروہہ یہاں میرے توسط سے چھپے گا۔ [۱۳۰ مئی ۱۹۶۹]

(۳۰) دیوان کے عکس کا شدید انتظار ہے۔ آپ طفیل صاحب کو یا ترقی مجلس (کڑا) کو کیا جواب دیں گے یا آپ جانیں میں اتنی ہی بات جانتا ہوں کہ مجھ پر جو احقاد آپ نے کیا ہے اس کو کسی قیمت پر مجھ سے نہ چھینے گی۔ آپ یہ پورا مہینہ کوئی اور کام نہ کیجئے بس کسی طرح اس کے حواشی اور مقدمہ وغیرہ تحریر کر لیجئے اور جولائی کے پہلے ہفتہ تک ہر چیز مکمل مجھے بھیج دیجئے۔ [۱۳ جون ۱۹۶۹]

(۳۱) تلاش غالب کے لئے جو دریافت فرمائیں آپ نے بھیج دی ہیں انہیں کتاب میں شامل رہنے دیجئے۔ میں آپ سے بھوٹ نہ بولوں گا میں نے واقعی کچھ لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ نو دریافت دیوان کے عکس مجھے مل جائیں گے جب آپ نے یہ خوش خبری دی تھی ورنہ میری کیا مجال کہ آپ منع کریں اور میں قہقہہ تم نہ کروں اب تو جو حواشی ہو گئی ہے اس سے دور گزر لیجئے آنکھ کے لئے دودھ ہے۔ [۱۷ جون ۱۹۶۹]

(۳۲) فاروقی صاحب یقین کیجئے میں دوستی کے نام پر اپنی جان پر کھیلنے کو تیار ہوں بڑے سے بڑے الزام اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔ مجھے اپنا جالیہ۔ الفاظ نہیں میرا عمل ہی یہ بات طے کر سکے گا کہ جو اعتبار آپ نے مجھ پر کیا ہے اسے اپنی زندگی کے آخری سانس تک نہیں نہ پہنچاؤں گا۔ [۱۱ جون ۱۹۶۹]

(۳۳) ”دیوان غالب نسخہ امروہہ کے عکس حواشی مقدمہ وغیرہ ہر چیز مکمل صورت میں بچا جان کے ہمراہ بھیج دیجئے۔ ڈاک سے ہرگز نہ بھیجئے۔ دیوان غالب کی اشاعت یقیناً عمدہ طریقہ پر ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ اب تک جتنی شرائط آپ نے مختلف خطوط میں لکھی ہیں ان کی پابندی ہو۔“ [مکتوب ۱۶ جون ۱۹۶۹]

(۳۴) آپ مجھ پر کتنا کرم کرتے ہیں جیسا کہ بات تو یہ ہے کہ دنیا والوں نے ہمیشہ مجھے حقارت سے ٹھکرایا۔ میں نے ہمیشہ خلوص برتا، لیکن جواب میں ہمیشہ نفرت ہی ملی۔ میری زندگی میں آپ سے نصف ملاقات اپنی نوعیت کا عجیب و غریب واقعہ ہے۔ خداوند کریم آپ کو اس کا اجر دے گا۔ دیوان غالب کا ٹکس بچا جان کے ہمراہ بھیجنے کا اور انہیں سختی سے ہدایت کر دینے کے جب وہ لاہور پہنچے جائیں تو مجھے مطلع کر دیں میں خود جا کر ان سے سب چیزیں لے لوں گا۔ خدا سے ہمہ وقت دعا مانگتا ہوں کہ دیوان کی طاعت کا کام بخیر و خوبی ہو جائے۔ آپ نے اتفاقاً بارہ مرتبے سر پر رکھ دیا ہے کہ میں جس کا اہل نہیں تھا۔

[مکتوب ۱۲ جون ۱۹۶۹ء]

(۳۵) میں اکثر سوچتا ہوں کہ آپ مجھ جیسے نامستقل ناکارہ اور فضول شخص کو کس قدر محبت اور خلوص سے یاد کرتے ہیں اپنی نارسائی، حماقت اور جہالت کا خیال آتا ہے تو کانپ اٹھتا ہوں۔ سوائے اس کے کیا کہوں کہ خداوند کریم ہی آپ کو اس خلوص اور محبت کا اجر دے گا۔ میں تو آپ کے لئے خواہش کے باوجود کچھ نہیں کر سکا ہوں۔

— تلاشی غالب کے آخری مضمون میں جو نو دریافت کلام موجود ہے اس کی اہمیت کا مجھے بخوبی اندازہ ہے نیز یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مالک نسخہ سے آپ کا جو معاہدہ ہے اسے بہر قیمت قائم رہنا چاہئے۔ اگست کے آخر اور ستمبر کے اوائل میں مخطوطات فروخت ہو جائے تو بہت اچھا ہے کیونکہ انہیں ایام میں دونوں چیزیں یعنی تلاشی غالب اور ”دیوان غالب“ چھپ کر تیار ہو جائے گا بشرطیکہ جولائی کے آخر تک ٹکس اور حواشی مع مقدمہ بھیجے جائیں۔ آپ اطمینان رکھئے آپ نے مالک نسخہ سے جو وعدہ کیا ہے اس کا پاس ہر حال میں رکھا جائے گا۔“ [مکتوب ۱۲ جون ۱۹۶۹ء]

(۳۶) — دیوان غالب کا ٹکس ڈاک سے ہرگز نہ بھیجنے، اگر کوئی صاحب اکتوبر سے پہلے تقریباً لائیں تو ٹھیک ہے ورنہ بچا جان کے ہمراہ ہی بھیجنے کوئی حرج نہیں۔ میں دیوان

غالب کی طباعت کا انتظام کسی نہ کسی طرح کر دی لوں گا۔ [مکتوب ۱۲ جولائی ۱۹۶۹ء]

(۳۷) تلاش غالب کی طباعت میرے اعزازے کے مطابق اکتوبر سے قبل نہیں ہو سکے گی۔ یقین ہے کہ اس وقت تک مالک نسخہ نسخہ فروخت کر چکے ہوں گے اور آپ پر جو پابندی ہے اس سے آپ آزاد ہو جائیں گے۔ میں پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ڈاکٹریٹ کرنا چاہتا ہوں کام بھی غالب پر کرنا چاہتا ہوں۔ سگری وقار عظیم صاحب غالب جیڑ سنجالے ہوئے ہیں۔ ان سے گفتگو ہوئی تھی اول تو وہ غالب پر ڈاکٹریٹ کے قائل نہیں میرے ساتھ پریشانی یہ کہ سوائے غالب کے کسی اور پر کام کرنا نہیں چاہتا (طرف دار جو ہوا) وقار صاحب اس پر آمادہ ہیں کہ موضوع اچھوتا نیا ہو اور معنی خیز ہو تو اجازت دیں گے۔ اب آپ ہی بتائیے کیا کروں؟ [مکتوب ۱۸ جولائی ۱۹۶۹ء]

(۳۸) طفیل صاحب سے بھی مذاقات ہوئی انہوں نے بتلایا کہ جلال الدین صاحب نے ایک بڑا لمبا چڑا مضمون ”دو بیان غالب نسخہ امر وہ“ کے متعلق لکھا ہے اور وہ اُسے غالب نمبر حصہ دوم میں شائع کر رہے ہیں۔ وزیر الحسن عابدی صاحب بھی وہاں تھے انہوں نے اور طفیل صاحب نے بتلایا کہ خطوط اب عرشی صاحب کے پاس پہنچ گیا ہے اور عابدی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی کہ پہلا کام عرشی صاحب نے یہ کیا ہوگا کہ اُسے حرف بحرف نقل کر لیا ہوگا۔ یہ بات عابدی صاحب نے تحریر کی بنا پر کہی ہے۔ انکا فرمان تھا کہ ”بارغ دودر“ جب عابدی صاحب نے عرشی صاحب کو دکھلائی تو انہوں نے اُسے نقل کر لیا تھا۔ مگر بات اکبر علی خاں کی ہوتی تو میں ایک لمحہ کے توقف کے بغیر یقین کر لیتا لیکن عرشی صاحب؟ لیکن وزیر الحسن عابدی صاحب نے جس انداز سے کہا اس پر سوائے یقین کر لینے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے میاں سمیل صاحب سے ”دو بیان غالب نسخہ امر وہ“ کی طباعت کی بات کر لی ہے وہ یہ فرماتے تھے عہدِ نپ میں نہیں بلکہ وہ صرف اس طرح شائع کر سکیں گے جیسی ”فاستان مظلیہ“ تھی۔ میں نے اس پر بھی رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ دلی کے دوران قیام

پہلے آپ سے ملیں گے۔ چچا جان جب تشریف لائیں تو جو کچھ وہ غالب پر لائیں اور آپ بھیج سکیں احسان ہوگا۔ ایگل کے فلائنگ کا بھی منتظر ہوں گا۔“ [کتب ۱۲ اگست ۱۹۶۹ء]

(۳۹) اس دور میں جلال الدین صاحب اور اکبر علی خاں صاحب جیسے حضرات ہی کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ آپ نے توفیق صاحب سے وعدہ کر لیا تھا کہ جب تک نو دریافت خطوط فروخت نہ ہو جائے گا آپ اپنی کتاب شائع نہ کریں گے مگر ہوا کیا؟ وہ آپ کے سامنے ہے اب توفیق صاحب سے ہی کہئے کہ وہ صحیح صورت حال سے غالب کیے پرستاروں پر (کذا) واضح کریں کہ نئو کس نے دریافت کیا؟ اور سب سے پہلے اسے کس نے دیکھا؟ جلال الدین صاحب نے اپنے مضمون میں توفیق صاحب کا دلی جانا تحریر کیا ہے (جہاں آپ دیوان دیکھ چکے تھے) مگر دریافت کا سہرا انہوں نے اپنے ہی سر باندھا ہے۔

”نئو“ امر وہہ“ کی دریافت کے بعد جب آپ کا مضمون آ گیا تھا تو بڑی زبردست خواہش تھی کہ ”طاش غالب“ شائع ہو کر بازار میں آ جائے مگر پاسِ ادب اور آپ کے اظہارِ وعدہ کے خیال نے مجھے اظہارِ خیال تک سے روکا۔ آج میں پچھتا رہا ہوں کہ کیوں نہ میں نے خود یہ فیصلہ کر لیا کہ کتاب چھپ جائے۔ اکبر علی خاں سے میں اگرچہ آج تک نہیں ملا۔ مگر جو حرکات وہ کرتے رہے ان سے میں بخوبی واقف ہوں۔ یہاں اس ملک میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو غالب کو پڑھتا ہو اور اس سے اکبر علی خاں صاحب نے یہاں کی مطبوعات منگا کر چپ نہ سادھ لی ہو۔ پھر بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ نئو امر وہہ کا خطوط ان کے ہاتھ میں جائے مگر اور وہ اس کا ٹکس نہ لے لیں؟

[۱۲ اگست ۱۹۶۹ء]

(۴۰) میں نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ کلامِ حق کو دوام حاصل ہوتا ہے لیکن پروڈیگنڈا اپنے اثرات چھوڑے بغیر پروڈیگنڈا کیا ہوا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ توفیق صاحب صحیح صورت حال سے اس نسخے کے بارے میں لکھیں؟

— ایک بڑے مزے کی خبر سنئے۔ سید قدرت نقوی صاحب نے ملتان میں اسکول کی ملازمت ترک کر دی وہاں انہیں ایک سو دس روپے ماہانہ ملتا تھا۔ فقی صاحب نے حق دوستی یوں ادا کیا کہ جوش صاحب کو ترقی بورڈ سے نکالا اور ساڑھے چھ سو روپے ماہانہ پر قدرت صاحب کا تقرر کیا۔ جوش صاحب کا فہم البدل (کذا) کیا خوب تلاش کیا ہے۔ اب قدرت صاحب لغت نویسی پر معذور ہیں۔ ایک فقی کا فضل پاس اور لغت نویس افسالوا اللہ وانا الیہ راجعون (کذا) — [مکتوب ۱۳ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۳۱) مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ سکیل صاحب آپ سے ملنے پہنچے وہ بہت بڑے باپ کے بیٹے ہیں اور نہایت با اصول انسان ہیں۔ آپ سے چوک ہو گئی اگر آپ سکیل صاحب سے دیوان کی طاعت کا ذکر کر دیتے تو بہت اچھا ہوتا وہ اگر آپ سے وعدہ کر لیتے تو دنیا دہر سے ادھر ہو جاتی وہ شائع کرتے اور جلد کرتے۔ مجھ سے انہوں نے اس نو دریافت کلام کو شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سو وہ اور کس اگر آپ اُن کے حوالے کریں تو مجھے فوراً مطلع کیجئے گا تاکہ میں جا کر وصول کر لوں۔ بچا جان کے ہمراہ اگر آپ روانہ کریں تو زیادہ مناسب ہے۔ [مکتوب ۸ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۳۲) پروفیسر احمد علی صاحب کی کتاب انگریزی میں اٹلی سے چھپ کر آئی ہے بارہ روپے قیمت ہے مکر وہ میں آپ کو نہیں بھیجوں گا اُسے دیکھ کر جی مل گیا انگریزی میں ترجمہ بعض جگہ بالکل (کذا) گھاس کوڑا ہے۔ نقلی ترجمہ بھی نہیں۔ یہ پروفیسر احمد علی (ہماری گلی) اور دلی کی شام کے مصنف ہیں۔ بڑے مشہور و معروف مگر غالب کا ترجمہ کیا تو بس طینتِ ختم ہی کر ڈالی۔ [مکتوب ۱۸ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۳۳) میں ۱۱ جنوری کو ملتان پہنچوں گا اور اولین فرصت میں لاہور جاؤں گا تاکہ "علاش غالب" کے مکمل پروف حاصل کر لوں۔ نہ میں اس کا نام تبدیل کروں گا نہ مرتب کی حیثیت سے اپنا نام لکھوں گا۔ دوسرے کی محنت کو اپنی جھولی میں ڈال کر فخر کرنا سید قدرت نقوی

صاحب کو ذہب و عطا ہے پھر جلال الدین صاحب کو۔ میں ان کا ہم چلے نہیں جتنا چاہتا۔ یہاں کے رسائل میں تو ایک طرف مضامین شائع ہوئے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جلال الدین صاحب نے اقلیت کا تاج پہن لیا ہے اور یہ تاج ان کی نیجات کا باعث ہوگا۔ یہ بات تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ مالک مخطوط نے انہیں نووریافت کلام شائع کرنے کی اجازت نہ دی ہو گی۔ —

آپ نے اچھا کیا کہ توفیقی صاحب کے (Interest) کو مد نظر رکھا اور مخطوط کی فروخت تک اپنی کتاب کو روک لیا۔ لیکن میں تو سمجھ رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں گھپلا ہو جائے گا اور جب اکبر علی خان کا نام درمیان میں آیا تو میرا خیال یقین میں تبدیل ہو گیا کہ اب نووریافت کلام سامنے آ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جلال الدین صاحب ان سے بھی بڑے کاریگر ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے شرافت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اگر آپ نے عکس کے ہمراہ حواشی روانہ نہ کئے تو میں صرف دیوان چھپوانے کی کوشش کروں گا۔ [مکتوب ۱۶ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۳۳) کیا سہیل صاحب سے حیدرآباد میں ملاقات ہوئی؟ وہ ابھی سے قتل اگر وہ آپ کو دہلی میں مل جائیں تو دیوان غالب نسخہ امرہ کی طباعت کے بارے میں ضرور ان سے مکمل کہ بات کیجئے۔ میں اس نسخے کے عکس اور حواشی کا منتظر ہوں۔ [مکتوب ۱۹ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۳۵) ۱۳ اکتوبر کو قبلہ چچا جان کا خط ملا کہ ۱۵ اکتوبر کو لاہور جا کر ان سے نیاز حاصل کروں چنانچہ حکم کی تعمیل کی اور وہاں گیا۔ صبح کو ناشتہ ان کے ساتھ کیا۔ مندرجہ ذیل کتب و رسائل انہوں نے عطا فرمائیں۔ ایک غلیبک جس پر غالب کے اشعار ہیں اور عکس۔ چچا جان کے ہاں سے وہ ابھی آیا تو دن بھر نہ کہیں گیا اور نہ کوئی کام کیا بس اس دولت کو دیکھتا رہا کہ جس کے مقابلے میں قازدن کے خزانے کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ شکر یہ کہ لفظ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ وہ میرے جذبات کی ترجمانی نہ ہوگی۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہی

اس کا اجر آپ کو دے گا۔ (آپ نے تواجر دے دیا جزاک اللہ شام)

— سکیل صاحب دیوانہ غالب شائع کرنا تو چاہتے ہیں لیکن قطعیت کے

ساتھ ابھی انہوں نے وعدہ نہیں کیا، ان کے اعدائے کے مطابق جس قسم کا دیوان میں شائع کرانا چاہتا ہوں اس پر کم از کم چالیس پینتالیس ہزار روپے کی لاگت آنے کی — میں طفیل صاحب سے بھی ملا۔ وہ نقوش کا ایک اور غالب نمبر شائع کر رہے ہیں یہ معصوم رائے نشین ہوگا اس نمبر میں غالب کی نایاب اور کیا ب تحریریں ہوں گی ”گل رعنا“ کا اصل نسخہ لاہور میں ایک صاحب کے پاس ہے اور بارہ ہزار روپے والے موجود ہیں مگر وہ صاحب ہیں ہزار مانگتے ہیں طفیل صاحب اس کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور امید ہے کہ عکس مل جائے گا پھر وہ عکس صفحات پر اسے شائع کریں گے —

طفیل صاحب نے نسخہ امرودہ کے عکس حاصل کرنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کر لیا تھا مگر چونکہ انہیں یقین نہ تھا کہ عکس مل سکیں گے سڑ ملوئی کیا اور ویزا کا وقت نکل گیا۔ ویزا مصلحت آمیز کے لئے پروردگار مجھے معاف کرے میں ان سے کہہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ہاں ایک بات یاد آئی کہ آپ نے میرے پکٹ پر میرے نام کے بعد ”معرفت طفیل صاحب“ کیوں لکھا؟ میرے پکٹ میں اگر دیو جاتی تو یقیناً چچا جان تمام چیزوں کے ساتھ عکس بھی طفیل صاحب کو دے آتے وہ اسے کھولتے دیکھتے آپ کے بارے میں کیا خیال فرماتے اور میرے بارے میں کیا سوچتے؟

بھریکھ۔ اب آپ سے ایک بات ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو عکس طفیل صاحب کو دوں تاکہ وہ نقوش کے غالب نمبر میں شامل کر لیں۔
— مجھے آپ صاف صاف کہئے کہ کیا آپ اجازت دیں گے؟ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو پھر یہ اس وقت تک میرے پاس محفوظ ہیں جب تک غالب کا دیوان شائع کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو جاتا — [مکتوب ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۳۶) میں نے تو آپ کو پہلے ہی لکھا تھا کہ جلال الدین صاحب نے نسخہٴ امرودہ کی دریافت کا سہرا خود ہاندہ لایا ہے مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہے کہ آپ نے اس نسخہ پر آئینہ کیا — یہ زمانہ تو پروپیگنڈے کا ہے اور جلال الدین صاحب اس سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کم از کم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ وہاں کے اخبار اور رسائل میں صحیح حالات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اگر آپ توفیق صاحب اور اپنا مضمون نقل کر کے (چھاپا ہوا تو آئے گا نہیں) بھیج دیں تو پھر یہاں کے اخبارات و رسائل میں ان کو (Reproduce) کرایا جاسکتا ہے۔

یہاں آج اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اکبر علی خاں نے وحی کیا جس کا اندیشہ وزیر اعلیٰ صاحب نے ظاہر کیا تھا یعنی نسخے کا عکس شائع کر دیا ہے۔ یہاں ابھی اور کسی کے پاس عکس نہیں پہنچے ہیں۔ میں ۷ اکتوبر کی شام کو لاہور سے روانہ ہوا۔ طفیل صاحب کو اس وقت تک آپ کا خط نہیں ملا تھا۔ آپ کا خط ملنے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ طفیل صاحب کو ٹیک کال پر بتلایا کہ عکس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہ پرسوں یعنی ۱۲ اکتوبر کو تقریف لائیں گے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عکس انہیں دے دوں گا۔ لیکن ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ آپ جلد از جلد اس نسخے کے بارے میں مضمون لکھ کر بھیجئے۔

بات کچھ یوں ہوئی کہ عکس بھیجے کی ذمہ داری اب بھی آپ پر نہیں آئی چاہئے تاکہ توفیق صاحب کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے۔ ہاں یہ جہہ ضروری ہے کہ جہاں کے قاری کو صحیح صورت حال معلوم ہو جائے۔ آپ مضمون قسط وار مجھے یا طفیل صاحب کو بھیج دیجئے یعنی اگر مکمل مضمون یک بار کی نہ آ پائے تو خطوط کی شکل میں بھیجئے۔ "نقوش" ذمہ میں شائع ہوگا اگر کوئی صاحب آنے والے ہوں تو مضمون آسانی سے لائیں گے۔ نقوش کے لئے مضمون جو عکس کے ساتھ شائع ہو سکے ضرور بھیجئے۔ آپ کا مضمون نہ آتا تو — "تلاش غالب" میں نسخہٴ امرودہ سے متعلق جو مضمون ہے اسے شامل کرادوں گا لیکن ضروری ہے کہ آپ توفیق صاحب کے حوالے سے دوسرا مضمون لکھیں تاکہ اصلیت معلوم ہو سکے۔ جلال الدین اور

اکبر علی خان اگر جھوٹ بول سکتے ہیں تو کیا آپ کا قصہ بول سکتے؟

[مکتوب ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۳۷) جب ۱۹ اکتوبر کو مجھے آپ کا خط ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا اور وہ آج لاہور سے تشریف لے آئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی اور عکس انہیں دے دیے۔ طفیل صاحب کو آپ کا خط چکا ہے خیال ان کا یہ تھا کہ نقوش غالب نمبر حصہ دوم و نمبر میں شائع کریں گے۔ لیکن اب وہ نمبر ہی میں شائع کریں گے۔ اگر آپ نے نیا مضمون بھیج دیا تو ٹھیک ورنہ پھر تلاش غالب والا مضمون ہی شامل کر لیا جائے گا۔ طفیل صاحب چاہتے ہیں کہ میرا ذکر بھی آئے مگر مجھے نام و نمود سے نفرت ہے میں نے انہیں سختی سے منع کیا ہے۔ طفیل صاحب نے بھی یہی فرمایا کہ عکس کی ذمہ داری آپ نہ لیجئے، بس مضمون آپ کا اور عکس کی ذمہ داری میری یا کسی اور کی۔ اس سے یہ ہوگا کہ آپ کو توفیق کچھ کہہ نہ پائیں گے نیز آپ یہ کہہ سکیں گے کہ آپ نے صرف اپنی کتاب کے لئے مضمون لکھا تھا وہ شامل کر لیا گیا ہے یا اگر نیا مضمون بھی ہوگا تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ طفیل صاحب کی فرمائش پر لکھا ہے۔ آج طفیل صاحب آئے بھی اور واپس بھی چلے گئے۔ میں نے وہ پیر کو کچھ اور لوگوں کو مدعو کیا تھا۔ ایک نہایت ضروری کام یہ ہے کہ اگر آپ نے نئے نسخے کی کتابت کرائی ہے تو اس کی ایک نقل فوراً طفیل صاحب کو بھیج دیجئے کیونکہ ممکن ہے غالب کا لکھا ہوا کاتب صحیح نہ پڑھ سکے کیونکہ پروگرام تو یہی ہے کہ ایک جاب جاب کا عکس اور دوسری جاب کتابت شدہ غزل ہو گئے۔ آپ نے اسے صحیح صحیح پڑھ لیا ہوگا اس لئے کتابت شدہ کاپی میں غلطی کا (کذا) امکان نہ ہے گا۔ اور طفیل صاحب کو آسانی ہو جائے گی۔ [مکتوب ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۳۸) بچا جان نے مجھے ایک خط امر وہ سے لکھا تھا اور حکم یہ تھا کہ ۱۵ اکتوبر کو لاہور پہنچوں چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اتوار ۱۵ اکتوبر کو صبح ناشتا انہیں کے ساتھ کیا۔ اگر آپ کا خط میری روانگی سے قبل مل جاتا تو میں یقیناً عکس طفیل صاحب کو دے آتا لیکن آپ

کا تعارف جب مجھے لاہور سے واپسی پر ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا، وہ گزشتہ اتوار یعنی ۱۱/۱۲ اکتوبر کو تشریف لائے اور میں نے ان کے سپرد کر دیئے۔ حق تعالیٰ وارسید۔ طفیل صاحب فرماتے تھے کہ آپ کا تجلہ انہیں مل چکا ہے۔ — مخطوطہ کی (Discovery) نہیں بلکہ اس کا تعارف زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور یہ تعارف سب سے پہلے آپ نے کرایا، ثبوت تو موجود ہے کہ ”سلاش غالب“ اس میں یہ مضمون ”دیوانہ غالب“ امر ذہن ”موجود ہے اور اس میں مکمل رد وادائے میں نے ٹائپ شدہ جتنا مضمون میرے پاس تھا طفیل صاحب کو دے دیا تھا۔ اگر آپ کا نیا مضمون نہ آ سکا تو یہی مضمون شامل کر دیا جائے گا۔ میرا خیال اب یہ ہے کہ اسی مضمون کو ”نقوش غالب“ نمبر حصہ دوم“ میں شامل ہونا چاہئے، اس سے کئی فائدے ہیں۔ اذل تو اس مضمون سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ تعارف سب سے پہلے آپ نے کرایا، لیکن چونکہ مالک مخطوطہ کو مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا آپ نے کتاب کی اشاعت کو اتوار میں ڈالا۔ دوسرے یہ کہ کتاب کو اس سے شہرت ملے گی۔ تیسری بات یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا اور بالخصوص توفیق صاحب کو کہ ان کے ساتھ زیادتی کس نے کی ہے!

ہاں ایک بات یاد رکھئے ”نقوش غالب“ نمبر حصہ دوم شائع ہونے کے بعد پھر یہ ”الہام“ آپ پر نہیں آنا چاہئے کہ عکس آپ نے بھیجے ہیں۔ اس میں بھی وجہیں گمبیاں ہیں جن کا اظہار اس وقت درست نہیں، یہ عین ممکن ہے کہ اکبر علی خان صاحب توفیق صاحب کو بھڑکا دیں کہ آپ نے عکس حاصل ہی اس لئے کئے تھے کہ ”نقوش“ کو بھیج دیں اور میں نہیں چاہتا کہ یہ یاد رکھوں کہ الہام آپ پر آئے۔ — طفیل صاحب سے جو آپ کے مراسم ہیں اور میرے بھی۔ ان کے پیش نظر ان سے یہ کہنا کہ صاحب عکس کے بدلے چار سو روپے دیجئے (یعنی عکس کی اجرت چار سو روپے۔ ثار) معصوب معلوم ہوتا ہے حساب دوستان و دردل والا معاملہ ہی ٹھیک ہے۔ [مکتوب ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۴۹) — ولید صاحب نے بہت پریشان کیا ہے۔ نقوش امر وہہ والا مضمون اب تک

فراہم نہیں ہو سکا ہے۔ میں نے ٹیلیفون پر طفیل صاحب کو مطلع کیا کہ اگر ہفتہ ۱۲۵ اکتوبر تک مضمون نہ ملا تو میں خود لاہور پہنچوں گا۔ چنانچہ میں ۱۲۵ اکتوبر کی شام کو طفیل صاحب کے پاس پہنچا۔ گھر لے گئے رات کو سو گیا رہ بیچے ان کے ہاں سے آیا اور ولید میر کے گھر جا کر بیٹھ گیا وہ حضرت قلم دیکھنے گئے تھے۔ تین بجے صبح آئے 'جاگتا رہا جب تین بجے وہ آئے تو مضمون کے بارے میں بتلایا کہ ۲۶ کو تو اتوار ہے اور پریس بند ہے مضمون نہیں مل سکتا۔ ۲۷ یا ۲۸ اکتوبر تک انہوں نے مضمون دینے کا وعدہ کیا ہے۔ طفیل صاحب اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ "نقوش" غالب نمبر حصہ دوم بھی دو حصوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلے حصے میں نکس اور دیوان اور صرف آپ کا مضمون "دیوان غالب نئی امر دہ" ہوگا۔ دیوان پر "نقوش امر دہ" نئی لکھا جائے گا۔ آپ دو کام فوراً کیجئے (۱) مسودہ جس قدر جلد ہو طفیل صاحب کو بھیج دیجئے کیونکہ بعض جگہ الفاظ کا پڑھنا کاتب کے لئے ممکن نہیں ہے اور نکس دوسروں کو دکھائے نہیں جاسکتے (۲) دیوان غالب نئی امر دہ کا آخری صفحہ یعنی جہاں سے غزلیات کے پہلے مصرعے نمبردار آپ نے درج کئے ہیں یہ حصہ اگر آپ کے پاس ہو تو نقل کر کے مسودے کے ہمراہ بھیج دیجئے کیونکہ خدا خواستہ کسی وجہ سے ولید صاحب مضمون نہ دے سکے تو مضمون مکمل صورت میں تو شائع ہو سکے۔ مضمون کا پہلا حصہ تو کیوز ہو چکا تھا وہ میں نے طفیل صاحب کو دے دیا ہے۔ [مکتوب ۱۲۷ اکتوبر ۱۹۶۹]

(۵۰) میں نے آپ کو ۱۲ اکتوبر کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ عرض کیا تھا کہ طفیل صاحب حسب وعدہ آئے اور میں نے دیوان غالب ان کو دے دیا کیونکہ اس کے متعلق آپ کی ہدایت ۱۹ اکتوبر کو مل چکی تھی۔ اچھا اب ایک بات سنئے میں آج مسعود شاعر صاحب کے پاس گیا تھا ان کی بریلی خاں کا خط لے آیا ہوں اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"ایک اعلان حکیم نبی احمد خاں صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر صغیر احمد خاں کی طرف سے۔
امروز میں شائع کرادیجئے کہ:

”مخطوط دیوان غالب غلط غالب مکتوبہ سر شنبہ ۱۱۴۲ھ (سن
 ہمدرد) کو پاکستان میں شائع کرنے کے جملہ حقوق میرے نام محفوظ
 ہیں بغیر تحریری اجازت کوئی صاحب اس نوادر یافت کلام یا اختلافات
 اور اصطلاحات اور اصلاحات اُس سے چھاپنے والی نئی معلومات کو
 مضمون یا کتاب کی صورت میں شائع کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔
 خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کی
 جائے گی۔ ڈاکٹر صفیر احمد خاں ایم بی بی ایس، من آباد لاہور۔“

اس اعلان پر جو خرچ آئے وہ حکیم صاحب قبلہ سے لے لیجئے مگر اس اعلان کی اشاعت بہت
 ضروری ہے۔ (اکبر علی خان)۔

انگریزی میں جو تحریر ہے اُس کے حاشیے پر اکبر علی خاں نے لکھا ہے: ”اے کسی
 بڑی نیوز ایجنسی کو ریلیز کرنے کے لئے دے دیجئے تاکہ آپ کے یہاں تمام انگریزی
 اخبارات میں آجائے اور عام پور کا نام اونچا ہو۔“

آئیے اب اس تحریر کا جائزہ لیں: سب سے پہلی بات تو یہ کہ اکبر علی خاں کو یہ
 یقین نہیں ہے کہ صفیر احمد خاں خود اشتہار دیں گے اس لئے مسعود اشعر کو لکھا ہے۔ دوسری
 بات یہ ہے کہ اکبر علی خاں کو شاید یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ جلال الدین صاحب اپنے سر اس کی
 دریافت کا سہرا باندھتے باندھتے تمام نوادر یافت کلام اپنے مضامین میں درج کر چکے ہیں۔
 ”نقوش“ کے گزشتہ شمارے میں جلال الدین صاحب کا مضمون دیکھا جاسکتا ہے، یہی نہیں
 — بلکہ ”اختلافات اور اصلاحات اور اس سے چھاپنے والی نئی معلومات“ کا ذکر کر چکے
 ہیں اس کے علاوہ ”افکار“ میں مضمون شائع ہو چکا ہے — آپ کا مضمون بھی ”آج کل“
 میں شائع ہو چکا ہے بلکہ ”افکار“ میں رہ (Reproduce) بھی ہو چکا ہے۔ اصل چیز کو اکبر
 علی خاں چھوڑ ہی گئے ہیں یعنی عکس کی اشاعت و طباعت — یہاں اب تک اس قسم کا

اشتہار کسی اخبار میں نہیں آیا۔ خط پر کوئی تاریخ نہیں ہے البتہ اردو کا جو اشتہار انہوں نے بھیجا ہے اس پر یکم اکتوبر لکھا ہے۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ یہ اعلان یہاں شائع ہو بھی جائے تو اس کا ہم پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟ غالب کے کسی شعر پر یا اس کی تحریر پر حق ملکیت اکبر علی خاں کو کیسے مل گیا؟ کہ خود جو چاہیں کر لیں اور دوسرا مضمون یا کتاب میں اسے نہیں لکھ سکتا۔ یہ خیال بے وقوفی کی انتہا ہے۔ جب غالب کا دیوان شائع ہو ہی گیا تو ہر شخص اُسے پڑھے گا بھی اور لکھے گا بھی۔ کیا یہ نسخہ ”عرشی زاوہ واقعی چھپ گیا ہے؟ اور کیا یہ بازار میں فروخت ہو رہا ہے؟۔ یہاں یہ دیوان ”نقوش“ کے حصہ دوم کے پہلے حصے میں بالکل الگ شائع ہوگا اس میں آپ کا مضمون بھی شامل ہوگا۔ آج ہی طفیل صاحب کا خط بھی آیا ہے انہوں نے ”ہماری زبان“ کے وہ تمام شمارے پڑھ لئے ہیں جن میں توفیق صاحب، جلال الدین صاحب، اکبر علی خاں اور آپ کے خطوط شائع ہوئے ہیں ان کا یہ جملہ پڑھ لیجئے:

”ظاہر ہے ہمیں دلچسپی فاروقی صاحب سے ہے۔ پہلی بات یہ کہ دوستی ہے (دوسری بات نہیں لکھتا) تیسری بات یہ کہ اس قصے میں فاروقی صاحب کا کردار زیادہ معقول رہا چوتھے یہ کہ فاروقی صاحب ہی توفیق صاحب کے سپرد ہیں۔“ میں تو فاروقی صاحب کے لئے بہت کچھ کرتا مگر وہ خود ہی ہما کر رہے ہیں کہ سوائے مضمون کی اشاعت کے میرا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ (محمد طفیل)

میں آج ہی میرا مطلب ہے اس خط کے بعد انہیں کو خط لکھوں گا اور جلاؤں گا کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟ میں دیوان پر اپنا نام کیوں کروے سکا ہوں؟ دوسرے کی محنت اپنی جھولی میں نہیں ڈال سکتا میرے لئے یہی اعزاز کچھ کم نہیں کہ آپ نے ایسا لکھا اور طفیل صاحب نے ایسا سوچا۔ دیوان کا مسودہ (تاکہ کتابت میں غلطی نہ رہ جائے) حواشی (تاکہ

دیوان کو آرسٹ پیپر پر سکیل صاحب شائع کر سکیں) اور ”دیوان غالب“ نسخہ ”امروہہ“ والے مضمون کی نقل (کہ اگر ولید صاحب نامتوویت برت لیں تو نقوش کی اشاعت میں دیر نہ ہو) یہ سب چیزیں جلد بھیجئے۔ [مکتوب ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۱) ازراہ کرام کسی بھی صورت حواشی فوراً بجھوائے نیز دیوان کے مسودے کی کاپی بھی اگر ضرورت پڑی تو دیوان کے دیباچے میں اس کا ذکر کر دیا جائے گا کہ دیباچہ اور حواشی لکھوائے گئے ہیں۔ فراہمی دیوان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے حواشی اور مقدمہ کا آنا ہوں بھی ضروری ہے کہ مضمون ”نسخہ“ ”امروہہ“ ”ملاحی غالب“ کے علاوہ اب ”نقوش“ میں شامل ہوگا اس لئے اُسے دیوان کے ساتھ شائع کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

[مکتوب ۱۲۹ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۲) آج اکبر علی خاں کا خط میرے پاس آیا ہے ذیل میں اُسے نقل کرتا ہوں:

”جی ہاں نو دریافت دیوان غالب ”نسخہ“ ”عرشی زادہ“ کے نام سے چھپ گیا ہے مگر ابھی تک دہلی ہی میں پڑا ہے پریس میں۔ پریس کی ادائیگی بعض مجبور یوں سے رکی ہوئی ہے دو تین جلدیں لایا تھا وہ تھمرے وغیرہ پر تقسیم ہو گئیں آپ سے پہلے ہی کی مدت کافی ہیں اُسے دور کر لوں تو آئندہ کسی کتاب کی فرمائش کروں وہاں جن جن اخبارات میں اس کتاب کے چھپنے کی خبر آئی ہے مطلع کیجئے۔ انگریزی اردو دونوں اگر تراشے لیں تو کیا کہنا سنا ہے ایک دو اخباروں میں پروفیسر آل احمد سرود کا تعارف بھی اس کتاب کے بارے میں چھپا ہے ان کے نام بھی لکھئے اور ممکن ہو تو آئندہ تراشے بھی بھیجئے یہ کتاب ڈی گیس ایڈیشن پر چھپی ہے اور ۱۹۵۱ء پے قیمت ہے۔ آپ کو چند سے انتظار کرنا پڑے گا یوں بھی صرف سکا پیاں چھاپی گئی ہیں۔“

طفیل صاحب کو جو خط اکبر علی خاں صاحب نے لکھا تھا وہ میں نے پڑھا ہے اس میں تو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور مجھے وہ لکھ رہے ہیں کہ پریس کی ادائیگی کی وجہ سے یہ کتاب رکی ہوئی ہے دو تین جلدوں کا تبرہ کے لئے بھیجا جانا قطعی غلط ہے اکبر علی خاں تو کبھی کسی کو روپے دو روپے کی کتاب نہیں بھیج سکے ۱۲۵ روپے کی کتاب کیا بھیجی ہوگی؟

میرا اندازہ ہے کہ یا تو ابھی یہ دیوان شائع ہی نہیں ہوا۔ یہ خبر اس لئے مشتہر کی گئی ہے کہ کوئی اور شخص نہ شائع کر سکے مگر غلط تو ان کی ملکیت نہیں ہے اور اگر وہ ان کی ملکیت بھی ہوتا تو غالب کے شعر پر اکبر علی خاں یا عرشی صاحب کا حق کیوں کر ہو گیا؟ یہ سب تھو باتیں ہیں۔ حیرت ہے کہ تو فیض صاحب کیسے شخص کے پسندے میں آئے ہیں؟ تو اکبر علی خاں کا کرم ہے جو انہیں یہ یاد ہے کہ ”آپ سے پہلے ہی کی مذاات کافی ہیں“ مجھ ہی پر موقوف نہیں اس ملک میں غالب سے محبت کرنے والے ہر شخص کی جیب پر اکبر علی خاں کی نظر رہی ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ قیامت تک مجھے یہ دیوان نہیں بھیجیں گے۔

یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ یہاں کے رسائل و اخبارات میں مضامین اور خبریں اس اشاعت کے بارے میں ہر روز شائع ہو رہی ہیں۔ واضح رہے کہ خبر اس دیوان کے شائع ہونے کی تو ضرور چھپی ہے لیکن اور کوئی چیز نہیں چھپی ہے۔

[مکتوب ۱۲۹، ستمبر ۱۹۶۹ء]

(۵۳) طفیل صاحب نے اب تک اطلاع نہیں دی ہے کہ انہیں مضمون ”دیوان غالب نسخہ امروہہ“ مل گیا یا نہیں؟ کیا آپ اپنا ایک فوٹو گراف ان صاحب کے ساتھ نہ بھیج دیں گے جو معترب آئیں گے۔ غالب کے دیوان کا مسودہ لائیں گے خواہی لگائیں گے۔ یہ تصویر اس لئے بھی ضروری ہے کہ ممکن ہے طفیل صاحب مضمون سے قبل تصویر شائع کریں؟ درندہ دیوان جب چھپے گا اس میں تو لازماً شائع کراؤں گا۔ مضمون کی نقل آپ کے پاس ہو تو

ضرور طفیل صاحب کو فوراً بھجوا دیجئے۔ [مکتوب ۱۳۱، ستمبر ۱۹۶۹ء]

(۵۴) یکم نومبر کو طفیل صاحب نے مجھے ٹیلیفون کیا اور حکم یہ کہ فوراً پہنچو۔ جو پہلی ٹرین ملی اس سے میں لاہور چلا گیا اور چھ گھنٹے کے سفر کی ٹھکان کا فوراً ہو گئی جب طفیل صاحب کو ہسٹن خٹھر پایا۔ بعد مغرب ہم دونوں جناب حکیم صاحب کے پاس من آ باد پہنچے حکیم صاحب مرثی صاحب کے ہم جماعت اور دوست ہیں اور اکبر صاحب نے انہی کے صاحبزادے ڈاکٹر صغیر کو یہاں کے لئے مختار کل بنایا ہے۔ انہوں نے ایک رفقہ اکبر صاحب کا طفیل صاحب کو بھی دے دیا جو مظلوم نہیں کیا تھا۔ بہر کیف میری نظر اس خط پر تھی جو حکیم صاحب کو لکھا گیا ہے۔ شرائط یہ تھیں کہ مرتب کو بچیس فی صد رائلٹی ملے۔ پچاس فی صد منافع ملے اور نسخہ کم از کم پانچ ہزار شائع ہو۔ بمشکل فیسی ضبط کر سکا۔ یوں مظلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھوکا بھکاری ہو اور جسے پلاؤ کی قاب مل گئی ہو جسے وہ ایک ساتھ نگل جانا چاہتا ہو ہم دونوں وہاں سے چلے آئے۔ البتہ انہیں یہ بتایا گیا کہ وہاں تو "ملنی ہو گئیں سب تدبیریں" والا معاملہ نہیں آچکا ہے اور ابھی یہ ملے ہونا باقی ہے کہ مالک کون ہے؟ اس لئے حکیم صاحب کا اعلان بے معنی ہوگا۔ میں شب کو گیارہ بجے اس تمام کام کو دیکھ کر آیا جواب تک ہو چکا ہے اور آپ کو ایک تاریخ بھی دیا کہ ولید صاحب سے مضمون نہیں مل پاتا اس لئے فوراً مضمون بھیجئے۔ صبح کو پانچ بجے ولید صاحب کے گھر جا پہنچا انہوں نے بہانے تو بہت کئے مگر میں کسی طرح آمادہ نہ ہوا اور نو بجے پریس جا کر مضمون لے آیا۔ اس کے شروع کے دو صفحات نہ ملے۔ اس کا تم نہیں کیا کیونکہ وہ چھپے ہوئے میرے پاس موجود تھے اور جو میں پہلے ہی طفیل صاحب کو دے چکا تھا۔ رات کو آپ کو دوسرا تار دیا کہ مضمون مل گیا ہے۔ "حاشا غالب" تو معنی میں تیار ہو چکی تھی لیکن آپ نے پابند کر دیا تھا کہ جب تک آپ کا تار نہ ملے کتاب (Release) نہ کی جائے۔ معنی ۱۹۶۹ء میں اگر آپ نے اجازت دے دی ہوتی تو کتاب اب تک شتم ہو چکی ہوتی اور دوسرا ایڈیشن آچکا ہوتا۔

(۵۵) میں نے تو خود حالات کے پیش نظر آپ سے استدعا کی کہ تمہی اس سلسلے میں آپ کا نام نہیں آنا چاہئے اور آپ کا نام نہیں آئے گا۔ حصول کی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اگر آئندہ کبھی ضرورت پڑی تو میں خود اس ذمہ داری کو قبول کر لوں گا۔ آپ کو اپنے احباب پر مکمل اعتماد ہونا چاہئے۔ آپ کی کوئی تحریر آپ کا کوئی کارڈ یا رقعہ تو بڑی بات ہے کوئی شخص اگر صرف وہ لغافو بھی لینا چاہے جس پر آپ کے قلم سے ہٹا لکھا ہے تو وہ میری لاش پر سے گزر کر ہی اسے حاصل کر سکتا ہے۔ امید کرنا چاہئے کہ طفیل صاحب بھی آپ کے جذبات کا پورا پورا خیال کریں گے۔ کام اشاعت کا نہایت تیزی سے ہو رہا ہے۔ ۱۲۶ نومبر ۱۹۶۹ء کو رسم اجراء ہو گی ممکن ہے دو تین یوم قبل ہی ہو جائے۔ اصل میں جن صاحب کو اس اجتماع کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا ہے وہ غالب ہی کے خاندان سے ہیں۔ بہت بڑے آدمی ہیں ان کی معروفیت کے پیش نظر ۲۳ نومبر سے ۲۶ نومبر تک کسی دن یہ رسم اجراء ہو سکے گی۔ اس نسخے کے سلسلے میں مکمل پروڈا آپ کے اس خط سے معلوم ہو گئی تھی جو طفیل صاحب نے پڑھنے کو دیا تھا لیکن ہم لوگوں نے دیکھ دانت اس خبر کو کچھ وقت کے لئے اتوا اس ڈال دیا ہے۔ ۲۶ نومبر کے بعد وہ خبر بھی اخبارات کی زینت بنے گی ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ اکبر صاحب دروغ گوئی میں باکمال انسان ہیں۔ حکیم صاحب کو لکھا کہ ایک نسخہ پریس سے لایا ہوں مجھے تعداد تین لکھی اور طفیل صاحب کو لکھا کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ یک گئی۔ قیمت مجھے ایک سو پچیس روپے تلافی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ تین سو روپے ہے عجیب معاملہ ہے۔ اگر وہ قیمت جو مجھے لکھی ہے وہ بھی صحیح ہو جب بھی اتنی منگی کتاب کون خرید سکتا ہے۔ اور اگر یہ حقاقت بھی کی گئی ہے کہ دوسرے نسخے پر غزلیات کی کتابت نہیں کرائی گئی تو خط خلست اس زمانے میں کتنے لوگ جانتے ہیں؟ — (توفیق احمد) نے آپ سے ایک معاہدہ کیا اور اسے فتح کر دیا ظاہر ہے کہ آپ کو نقصان پہنچایا آپ کو واقعی انصاف کا ورد ازہ نکھٹانا چاہئے۔ سہیل صاحب نے آمادی ظاہر کر دی ہے کہ وہ

دلیان چھاپیں گے اور اسی نچ پر — [مکتوب ۱۶ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۶) آپ نے جو یہ لکھا کہ اس دلیان کو آپ کے نام سے کیوں نہ چھپوایا جائے؟ کہاں چھپوایا جائے۔ یہاں یا وہاں؟ پہلی بات تو یہ کہ میں کسی کی محنت کو اپنی جھولی میں نہیں ڈال سکتا۔ دوسری بات یہ کہ ابھی آپ ایسا کیوں سوچیں؟ اگر حالات و معاملات کی نزاکت ایسی رہی کہ اسے میرے نام سے شائع ہونا چاہئے تو میں یہ ذمہ داری قبول کر لوں گا۔ لیکن ابھی ایسا سوچنا قبل از وقت ہے۔ اچھا ہوا کہ اکبر صاحب سے آپ کی گفتگو ہوئی اور (توفیق) سے بھی بہتر تو یہ ہوتا کہ اس گفتگو کا فیپ رکارڈ کر لیا جاتا — آپ نے اچھا کام کیا جو اہرام جت بھی کر دی یہ تو درست ہے کہ آپ کو اس چیز کے استعمال کرنے کا حق حاصل ہے مگر جب تک قانونی صورت نہ ہو کیا ہو سکتا ہے؟ — یہ بات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے سمجھئے کہ آپ نے جو احادیث پر کیا ہے اس اعتماد کو زندگی کے آخری سانس تک نہیں نہیں پھینکی — [مکتوب ۱۷ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۷) جو اہرام اور جس نوعیت کا اہرام وہ (اکبر علی خاں) کسی شریف انسان پر عائد کر سکتے تھے وہ خود اب اُن پر عائد ہو رہا ہے۔ انہوں نے نسخہٴ عرش زادہ کے پروف مفیل صاحب کو بھیجے ہیں اور چاہتے ہیں یہ کہ ان کی شرائط جو وسط حکیم نئی احمد خاں صاحب طے کر لیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ مغل پر پروف دے کر وہ پے ہوئیں مقدمہ بازی کریں اور توفیق احمد صاحب کو کچھ نہ دیں — میں یہ سب باتیں مفیل صاحب سے کہہ تو سکتا ہوں مگر میرے اور ان کے درمیان اچھی بے تکلفی کی وہ نفاذ پیدا نہیں ہو سکی ہے جہاں انسان ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر دوستی بھالنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آپ ان سے کہہ سکتے ہیں — انگریزی میں کہاوت ہے کہ محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔ یہاں تو دونوں چیزیں یک جا ہیں غالب سے محبت بھی اور بد معاہدہ لوگوں سے جنگ بھی۔ پھر آپ کیوں ڈریں؟ یا یہ کہ وہ (توفیق احمد) کیوں ڈرے کہ جسے اتنی عقل نہیں ہے کہ معاہدہ

کیا ہونا چاہئے۔“ [مکتوب ۱۶ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۸) آج اکبر علی خاں کا خط میرے نام بھی آیا ہے جتنی باتیں میں نے پوچھی تھیں وہ تو گول کر گئے۔ لکھا ہے کہ:

” — نسخہ سرشی زادہ کے لئے آپ کا اشتیاق بجا ہے ادھر آپ سے شرمندہ ہوں کہ تا حال کوئی خاص فرمائش پوری نہیں کر سکا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی قیمت سو سو روپے رکھی جائے اگرچہ یہ بھی بہت جی مکر چونکہ Super Deluxe کے طور پر بڑے اہتمام سے طباعت ہوئی اور لامنت اعزاز سے بہت زیادہ ہو گئی۔ اس لئے اور بھی کہ مالک مخطوطہ سو کا بیوں سے زیادہ طبع کرانے پر آمادہ نہیں ہوئے اس لئے تین سو روپے فی کاپی قیمت قرار پائی اور اس کی لاٹ کی الاٹ دہلی کے ایک بک سٹور نے خرید لی ان کا پتہ یہ ہے:

پاپلر بکس۔ ۹۹۳ بازار چٹائی قبر زلی۔ ۶۔

معلوم ہوا کہ ہاتھوں ہاتھ نکل گئی ان کے پاس سے آپ کا اشتیاق بہت ہے اس لئے پروف کا ایک درقی چڑا ہوا تھا میرے پاس وہ تلفوف کرتا ہوں۔ زیر نظر لیٹر پیڈ کی زمین پر دیباچہ اور حواشی چھاپ دیئے ہیں۔“

— میں رو رہا کہ ہاتھ ملتا اور پچھتا تا ہوں کہ مئی ۱۹۶۹ء میں جب کتاب کیپوز ہو گئی تھی تو اسے اسی وقت بازار میں آ جانا چاہئے تھا — بعض اوقات جی چاہا کہ بغیر آپ کی اجازت لئے قدم اٹھا لوں مگر آپ سے ڈرتا ہوں۔ آپ کی تحریروں سے جو میں نے آپ کے مزاج کی کیفیت تلاش کی ہے وہ یہ کہ آپ یقیناً زور رنج ہوں گے اور میں کسی قیمت پر آجینوں کو نہیں نہیں پہنچا سکتا — آپ کی کسی بات کو نالے ہوئے یا حکم کے بغیر خود کوئی فیصلہ کرتے

ہوئے مجھے ہمیشہ خوف آیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقین کیجئے یہ کتاب کب کی فروخت ہو چکی ہوتی اور آج جن مصائب کا سامنا ہے ان سے ہم لوگ بچ جاتے۔۔۔

[مکتوب ۱۷ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۹) طفیل صاحب گفتگو میں بھی اور تحریر میں بھی بہت محتاط انسان ہیں۔ میرا معاملہ دوسرا ہے۔ میرا دوستی کے معاملے میں خیال ہی دوسرا ہے۔ جب دوستی ہے تو پھر تادم مرگ بہر قیمت اُسے نبھانا ہے اور اس نہانے میں بڑے سے بڑا الحرام بھی آتا ہے تو اُس کا غم بیکار ہے۔۔۔ [مکتوب ۱۳ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۶۰) آپ جس قدر جلد ممکن ہو بھوپالی صاحب سے مضمون حاصل کیجئے کیونکہ طفیل بھائی کا تھکا ساخت ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ تحریر ایسی ہو کہ اس میں ستم باقی نہ رہے۔ مضمون سے مطاعت و اشاعت کے حقوق خواہ آپ کے نام ہوں یا کسی اور کے جو طفیل صاحب یا میرے نام منتقل ہو جائیں یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر اکبر صاحب یہاں کوئی گڑ بڑ چاہیں تو ہم لوگ اپنا دفاع تو کر سکیں گے کیونکہ یہ تو قطعی یقینی امر ہے کہ ”نفوش“ کی اشاعت کے بعد جو دھماکا ہوگا اس کی گرج چمک سے سب سے زیادہ تکلیف تو اکبر علی خاں اینڈ کوئی کو ہوگی۔ اس لئے ضروری ہے کہ جلد از جلد مضمون ہاتھ آ جائے یہ بھی خیال رہے کہ انہیں یہ گریہ ہوگی کہ ”نفوش“ کا ذریعہ حصول کیا ہے؟ اب یہ ہمارا اخلاقی فریضہ بھی ہے کہ طفیل صاحب پر آج نہ آئے۔۔۔ (توفیق احمد) سے کہلوائے کہ جو شخص جو ادارہ اس مخطوطہ کو خریدے گا تو کیا اسے وہ شہد کا کر جانے کا؟ جب تک اس کو شائع کرنے کے حقوق نہ ہوں گے اس لئے اُس کا معاہدہ جب تک باقی ہے اسے خریدے گا کون؟ ضروری ہوا کہ اُس معاہدہ کی تصحیح ہوتا کہ اس کا مخطوطہ فروخت ہو سکے۔

طفیل صاحب نے تھلا پاک ”نفوش“ تیار ہو چکا جلد بندی ہو رہی ہے آج کل روزانہ پچارے رات کو بارہ بجے تک بیٹھے رہتے ہیں اور کام کی تکمیل کر رہے ہیں۔ افسوس

کہ آپ کا فونو دیر سے پہنچا اور نہ ضرور شامل ہوتا — مجھ سے یہاں اُن احباب نے جو دعوت پر جمع تھے (جب طفیل بھائی آئے تھے) پوچھا تو میں نے کہا کہ جس فونو گرافر نے فونو تیار کیا اُسے معقول معاوضہ نہ ملا اُس نے نیکھو دکھا لیا اور فروخت کرتا رہا۔ میرے بھی ایک عزیز کو معلوم تھا کہ مجھے کس قدر دلچسپی ہے انہوں نے فونو گرافر سے خرید کر بھیجا ہے۔ (یعنی نسخہ) امروہہ کا نگہ خرید کر بھیجا ہے۔ انہیں ۱۸ نومبر ۱۹۹۷ء)۔ [۲۳ نومبر ۱۹۹۷ء]

(۶۱) اکبر صاحب نے Off Prints کے ساتھ جو شرائط لکھی ہیں اُن پر کوئی ذی ہوش انسان عمل نہیں کر سکتا۔ طفیل صاحب اگر اپنا مکان اور پریس سب ہی کچھ فروخت کر دیں جب بھی اکبر صاحب کے مطالبات پورے نہیں کر سکتے۔ طفیل صاحب نے میری معلومات کی حد تک اکبر صاحب کو جواب ہی نہیں دیا۔

اب جو آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ میں طفیل بھائی کو مطمئن کروں تو صاحب میں انہیں کچھ نہیں لکھنا چاہتا آپ کے ہر حکم کی تعمیل بسر و چشم کروں گا مگر طفیل بھائی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ اس سلسلے میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں براہ راست انہیں کو لکھئے مجھے اپنی کم عقلی اور حماقت کا پہلے بھی اعتراف تھا اب بھی ہے انہوں نے جو کچھ گزشتہ خط میں مجھے لکھا ہے میرا دل دکھانے کے لئے وہی کافی تھا جو کسر (کذا) رہ گئی تھی وہ آج ان کے پرچے کو دیکھ کر پوری ہو گئی۔ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ میں نہ آپ کو بتلاؤں گا اور نہ آپ مجھ سے پوچھیں گے — آپ نے تو ان سے پرچے کی بچاس کاپیوں کے لئے لکھا لیکن میں اُن سے ایک بھی نسخہ نہیں لینا چاہتا —

نقوش غالب نمبر ۲ حسن طباعت کا اعلیٰ نمونہ ہے اس کا گرد و پیش اس قدر خوب صورت ہے کہ میں نے کسی کتاب کا اتنا عمدہ ڈسٹ کوڑ نہیں دیکھا۔ مجھے جس چیز سے دکھ پہنچا ہے وہ یہ کہ سب سے پہلے تو انہوں نے آپ کے مضمون کا عنوان ہی بدل دیا۔ اُس مضمون کا عنوان اب ”بیاض غالب“ ہے اور اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے وہ یہ ظاہر نہیں کرنا

چاہتے کہ یہ مضمون پہلے ”علاشی غالب“ میں چھپ چکا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے ان سے بار بار درخواست کی تھی کہ ایک پورے صفحے پر صرف یہ الفاظ ہوں: ”دیوانہ غالب نسخہ“ امرودہ“ انہوں نے لکھا ہے ”نور یافت بیاض غالب بخط غالب“ پھر انہوں نے اپنے ”طلوع“ میں لکھا ہے: ”چونکہ یہ بیاض سب سے پہلے لاہور میں چھپی ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ اسے ”نسخہ کاہور“ کے نام سے یاد کیا جائے۔“ غالب یہ آنکھوں کے لئے وصیت ہے اگر طفیل صاحب پہلے سے یہ سب باتیں بتا دیتے تو دل نہ ٹوختا انہوں نے تو مجھے یہ بھی کہا تھا کہ سوائے نسخہ امرودہ کے وہ اس میں کچھ شامل نہیں کریں گے۔ لیکن آپ کے مضمون ”بیاض غالب“ کے علاوہ مندرجہ ذیل مضامین اور ہیں — سفید کاغذ نہایت عمدہ استعمال کیا گیا ہے بیاض غالب کی زمین ہلکے سبز رنگ کی ہے حاشیے پر آئنی جامب دو رنگ میں خوش نما قلم ہے۔ قیمت اس کی تیس روپے ہے۔ صفحہ ۳۷۲ جو اس نمبر کا آخری صفحہ ہے اس پر آپ کی کتاب ”علاشی غالب“ کا اشتہار ہے میں شاید وہ چار دن میں طفیل بھائی کو خط مبارک ہاؤس لکھوں گا۔ حقا تو آج ہی لکھتا لیکن کیا کہوں دل ہے جو اس ہے —

[یکم دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۲) میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ نقش دوم ”نقوش“ کا جو شائع ہوا ہے اس کی رسم اجرا چنڈی میں ہوئی۔ ۱۵ دسمبر کو لاہور میں بھی شائع اور تقریب ہوئی۔ تمام اخبارات میں طفیل صاحب کا اور آپ کا نام آ رہا ہے۔ نقوش غالب نمبر ۲ کی اشاعت سے عجیب قسم کا Sensation یہاں پھیلا ہوا ہے اور ساتھ ہی اخبارات میں یہ خبر بھی آئی ہے کہ آپ کے دل میں ملکیت کا حق ثابت ہونے کے لئے مقدمہ دائر ہوا ہے اور یہ کہ ذریعہ حصول ایک سربست راز ہے لیکن طفیل صاحب کی اس سے بڑی شہرت ہوئی ہے —

[کتوب ۸ دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۳) طفیل بھائی نے اگرچہ آپ کے مضمون کا عنوان بدل دیا ہے مگر مضمون میں

تبدیلی نہیں کی اگر انہوں نے ”نسخہ لاہور“ اس کا نام تجویز کیا تو شاید اس دوستی کی بناء پر جو آپ دونوں کے درمیان ہے۔ لہذا اگر کوئی بات اس موضوع پر ہو سکتی ہے تو آپ دونوں حضرات ہی کسی فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں میں نے انہیں ایک نہایت طویل خط لکھا ہے اور انہیں یہ تسلی دی ہے کہ شفیق صاحب کا مضمون بہر حال انہیں مل جائے گا ذمہ داری میری ہے۔ چنانچہ آپ سے یہ درخواست ہے کہ بلا تاخیر ان سے مضمون حاصل کیجئے اور کسی طرح بھیج دیجئے تاکہ غلیل بھائی کے تمام خدشات دور ہو جائیں۔ اکبر علی خاں کا ایک خط کل آیا ہے اس کا ایک طویل اقتباس یہ ہے:

”ماک ملک مخلوط ایک جاہل شخص ہے اسے یہ ڈر تھا کہ اگر زیادہ تعداد میں کتاب طبع ہوگی تو اس کی قیمت فروخت پر اثر پڑے گا۔ چونکہ میں اسے بہر صورت دہر قیمت مرعوب اور شائع کرنا چاہتا تھا اس لئے ماک کی ہر جائز و ناجائز بات ماننی پڑی۔ اگر اس کتاب کی قیمت کم ہوتی یعنی سوا سو بھی ہوتی تو یقیناً اس کی مقبولیت اور بھی بڑھ جاتی۔ ادارہ یادگار غالب نے اسے شائع کیا اور پاپر جلی کیشنز ۹۹۳ ہزار چٹکی قبر دہلی نے خرید لیا۔ شاید (یقین سے نہیں کہہ سکتا) غالب اکیڑی نظام الدین بنی دہلی میں کے پاس بھی برائے فروخت کچھ جلد میں دو چار موجود ہیں۔ ایک صاحب نے وہیں سے خرید کر بھیجی ہے اپنے ایک دوست کو۔ ارادہ یہ ہے کہ اسے آپ کے دہلی میں بھی طبع کرایا جائے وہاں ان شاء اللہ تاثر سے درخواست کروں گا کہ قیمت کم رکھی جائے۔ اس ایجنٹ میں تو برابر ادارے کو نقصان رہا ہے صرف لاگت واپس آئی ہے اور وہ بھی کھینچ جان سے۔ آئندہ ایجنٹ کی نویت اب مخلوطے کی فروخت کے بعد ہی آ سکے گی۔

شروع میں ایک صاحب کے (ساتھ) چار جلدیں پروفیسر حمید احمد خاں محمد طفیل صاحب اور مولانا مہر کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے سپرد کی تھیں مگر انہوں نے ابھی تک ان حضرات کو نہیں پہنچائیں ان صاحب کا وہاں کا چا معلوم نہیں کہ تقاضا کروں دم اجرا کا ارادہ تھا پھر سوچا کہ سرکشیہ شمار رسوم و قیود ہونا کیا ضروری ہے اس لئے اس خیال کو ترک کر دیا۔۔۔ [کتوب ۳ نومبر ۱۹۶۹ء]

[اگر یہ ۳ نومبر کے خط سے اقتباس ہے تو یہاں غلط یعنی بے ترتیب نقل ہوا ہے یہ چار نہیں ۱۲ نومبر کے خط کا حصہ ہوا گا۔ انیس ۱۸ نومبر ۱۹۶۹ء]

(۶۴) آپ کا خیال درست ہے کہ میری اور ان (محمد طفیل صاحب) کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا میں چونکہ نام و صوبہ کا تامل نہیں ہوں اور چھپنا چھپانا بھی کبھی پسند نہیں کیا اس لئے میرے اور ان کے خیالات کا ٹکراؤ کبھی نہیں ہوا۔ لیکن میرا تھا اس روز نہیں تھا (یہ بات نومبر ۱۹۶۹ء کی ہے) جب آپ کی ہدایت کے بموجب میں نے وہ خط جو آپ نے انہیں لکھا تھا اپنے پاس محفوظ کرنے کو طلب کیا اور انہوں نے نہیں دیا گو ملازمت اور نرمی ان کے لہجے میں تھی تاہم جب آپ کی واضح ہدایت موجود تھی کہ وہ خط میرے پاس رہے میرے حوالے کیا جائے تو انہیں دے دینا چاہئے تھا۔ بہر کیف اب جس طرح بھی ہو اس سلسلے کو چلنے دیجئے اس وقت ایسا مرحلہ ہے کہ خاموشی ہی زیادہ مناسب ہے۔۔۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چچا جان نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء کی صبح کو مجھے عکس دیئے تھے میں ۷ اکتوبر کی شب کو واپس آیا اور جس وقت لاہور سے روانہ ہوا تو طفیل صاحب کے دفتر سے میری انہی میں عکس موجود تھے مگر میں نے ان سے ذکر تک نہیں کیا صرف اس لئے کہ آپ کی اجازت نہ تھی بلکہ میں نے ۱۸ اکتوبر کو جو خط آپ کو لکھا اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے امانت کو ان کی معرفت کیوں بھیجا؟ اگر چچا جان ان کو دے آتے اور وہ دیکھتے تو

بدگمان ہونے کو آپ نے مجھے پیچھے براہ راست انہیں کیوں نہ بھیجے ۱۹۹۲ اکتوبر کو آپ کا خط ملا تھا اور آپ کا حکم تھا آپ کی اجازت تھی کہ انہیں یہ امانت دے دوں۔ چنانچہ اسی روز میں نے انہیں ٹیلیفون کیا اور وہ ۱۱۲ اکتوبر کو آئے اور امانت لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ میری خواہش تھی کہ وہ شائع ہو لیکن میں نے اس وقت تک ان سے ذکر نہیں کیا جب تک آپ کی اجازت نہ آگئی۔

میں جس چیز سے کبیدہ خاطر ہوا وہ اُن کی ۱۲۳ نمبر کی تحریر تھی۔ اس کا مفہوم کچھ یوں تھا کہ جب وہ اتنی طویل کتاب دے رہے ہیں جس کے صفحات دو ہزار ہیں تو اس لئے کہ انہیں جملہ پریشانیوں سے نجات ملے اور وہ اُسے آئندہ بھی دھڑلے کے ساتھ شائع کر سکیں۔ اگر یہ بات پوری نہیں ہوتا ہے تو پھر مزید صفحات کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ صرف درازی زلفم چاہناں والی قطع ہی کافی ہے۔ مجھے یہ بھی ہدایت تھی کہ یہ باتیں آپ پر واضح کر دوں، ایک جملہ اور بڑھایا کہ پہلی قطع کتاب کی جس مقصد کے لئے دی ہے وہ بہر حال پورا ہونا چاہئے۔ براہ راست وہ اس لئے نہیں لکھ رہے تھے کہ آپ نے براہ راست ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ آخر میں پھر ایک جہ کا لگا کہ میں آپ کو لکھوں کہ کتاب کا پہلا باب اس لئے کہ معاملہ لگے اور مزید صفحات اس لئے دیں گے کہ انہیں حقوق اشاعت واپس ملیں اسی تحریر کا جب آخری جملہ پڑھا تو دل پر یوں لگا جیسے کسی نے منوں وزنی برف کی بسل رکھ دی ہے: ”آپ جس حد تک دلچسپی لے رہے ہیں وہ مروجہ کن ہے“ میری اس دلچسپی کا قصہ بھی سن لیجئے: میں انہیں مسلسل یہ لکھتا رہا تھا کہ صلوات اول پر تمنا یاں طور پر درج ہونا چاہئے ”دیوان غالب بخیر“ امر وہ ”جنتی مرجع لکھا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے لکھا کہ اس پر تحریر ہو کہ اس کے حقوق اشاعت محفوظ ہیں انہوں نے ایک سطر لکھی تو ضرور ہے مگر وہ الفاظ نہیں لکھے جو میں چاہتا تھا اُن کی ۱۲۳ نمبر کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے میں نے خود ان سے یہ کتاب طلب کر لی تھی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

آپ نے کھانا میں نے کہا۔ انہوں نے خود ہی کہا تھا کہ وہ ایک طویل کتاب لکھ دیں گے۔
قسط اول کے لئے آپ کا حکم تھا سوان سے کہہ دیا تھا۔ پھر مجھے یہ بھی رنج تھا اور ہے کہ
دوستوں میں ایسی معمولی معمولی باتوں کے لئے شرائط نہیں لگائی جاتی ہیں^(۱)

میں نے ان کے تین خطوں کا جواب نہیں دیا جو تھا خط جو ۳۰ نومبر کا لکھا ہوا تھا اس
میں لکھا: ”کیا میری کسی بات سے ناراض ہو گئے؟ اگر یہ بات ہے تو پھر میں یہ کہوں گا“
پہلے مجھے پڑھ لیجئے“ جب تک یہ نہ ہو گا میرے خطوں کا مفہوم آپ کی سمجھ میں نہ آئے
گا۔“ ۱۲ دسمبر کو میں نے انہیں چار صفحات کا طویل خط لکھا اب وہ یہ لکھ رہے ہیں کہ میرا
خط ہی انہیں نہیں ملا حالانکہ یہ خط اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو
کسی اور کو نہ جانی جائیں۔۔۔ آج بھی ان کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ”اس نمبر کے پتلے کی
رفتار مایوس کن ہے اب کے اتنی وی پی ڈا میں آئی ہیں کہ زندگی میں اور کسی نمبر کی نہیں آئی
تھیں“۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب شائع ہوئی تھی ”دہستان غالب“ اس کی قیمت پچیس
روپے ہے اور وہ فروخت ہو رہی ہے لیکن ”نفوس“ کا غالب نمبر ۲ جس کی قیمت صرف تیس
روپے ہے اور جس میں غالب کا مکمل دیوان خود اس کے قلم سے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہو
فروخت نہیں ہو رہا کیا کہا جاسکتا ہے! نفوس غالب نمبر ۱ آپ دیکھ ہی چکے ہیں اس کی
آزل اشاعت ختم ہو گئی تھی اور اسے دوبارہ شائع کرنا پڑا تھا۔ میں نے انہیں لکھ دیا ہے کہ وہ

۱۔ اس خط میں کچھ باتیں درج یہ اعزاز میں لکھی گئی ہیں ان کی وضاحت ضروری ہے۔ مکتب
صاحب چاہتے تھے کہ جس شخص نے نسخہ نقلی احمد کے ہاتھ کیا وہ روپے میں فروخت کیا تھا اسے دو ہزار
دو سو روپے دیں بشرطیکہ وہ یہ تحریر لکھ کر دے کہ اس نے نسخہ فروخت کرنے سے پہلے فلاں شخص کو کس لینے
اور چھاپنے کا اجازت دے دی تھی۔ دو ہزار صفحات کی کتاب سے مراد دو ہزار روپے ہیں اس کی مکمل قسط
پانچ سو روپے انہوں نے کسی مقصد سے بھیجی تھی جو پورا کیا گیا مگر اس کا سب سے زیادہ نقصان طرب
تو نہیں احمد کو ہوا جس کے کئی ہزار روپے مقدمہ بازی میں خرچ ہوئے اور نتیجہ حاکم کے تین ہاتھ رہا۔

جس مضمون کے طلب گار ہیں وہ انہیں مل جائے گا اور اس کا ہم پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔
 اڈل تو انہیں ذریعہ حصول کے بارے میں اب کشائی کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن بالقرض
 کوئی ایسی پریشانی لاحق ہوئی جاتی ہے تو وہ میرا نام لے دیں۔ جس طرح بن پڑے ان
 کا مظلوم مضمون کسی کے ہوا بھیج دیجئے جب سب سے قیمتی متاع ہی پر وکروی تو اب اس
 ذرا سی چیز کے لئے کیوں کوئی الزام آئے۔ [مکتوب ۱۲ دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۵) یہاں اخبارات میں ”نئوز امر وہ“ کی دھوم مچی ہوئی ہے ایک بھی اخبار نے
 ”نئوز لاہور“ نہیں لکھا۔ ”نئوز امر وہ“ ہی لکھا ہے اور ہر شخص آپ کو جانتا چاہتا ہے۔ مجھ
 سے بھی بعض لوگوں نے استفسار کیا مگر میں نے چپ سادھ لی۔ [۱۹ دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۶) سکیل صاحب لندن نہیں گئے مگر جس طرح وہ بچتائے ہیں وہ دیکھنے والی چیز تھی
 میں نے تو ان سے کہا کہ ان کی تسلی کا نتیجہ ہے کہ بازی کوئی اور مار لے گیا۔ خیر اب سکی
 آپ بلا تامل عواشی لکھیں اور جو کچھ کام اس کے متعلق ہو لکھ کر بھیج دیجئے وہ جب ملتے ہیں سکی
 کہتے ہیں کہ ”صاحب آپ ذبانی تیغ خرچ کرتے ہیں تحریر آپ کے پاس نہیں ہے بات کیا
 ملے کریں“۔ آپ حواشی اور مقدمہ لکھ دیجئے ان کی یہ شکایت بھی دور ہو جائے گی۔^(۱)

[مکتوب ۱۳ جنوری ۱۹۷۰ء]

(۶۷) بھائی میرے ان (اکبر علی خاں) کے مختار کار حکیم صاحب جو لاہور میں ہیں وہ
 سخت پریشان کر رہے ہیں۔ قانونی حیثیت اگرچہ کچھ نہیں ہے لیکن وہ اخلاقی دباؤ بہت سخت

۱۔ ابتدا میں میرا اور لطیف صاحب کا بھی ارادہ تھا کہ اسے کسی ایسے ناشر سے کتابی صورت میں
 اعلیٰ بنائے پر شائع کرایا جائے۔ لطیف صاحب نے اشاعت کے لئے سکیل افکار صاحب کو آبادہ کر لیا تھا
 مگر نیکل مرحوم سے میرے تعلقات کی ذمہ داری تھی کہ ان کے حوالے کرنے کے بعد میں نے یہ خیال
 دل سے نکال دیا تھا۔ مگر لطیف صاحب نقوش میں چھپنے کے بعد بھی دوسرے ادارے سے اس کی اشاعت
 کے لئے کوشاں رہے۔

ڈال رہے ہیں۔ وہ عظیم صاحب وغیرہ کو درمیان میں ڈالا ہے طفیل صاحب کے پاس
 جزوی دہلی حقوق موجود ہیں۔ یہی انہوں نے پرچے پر چھاپا ہے۔ حکیم صاحب یہ چاہتے
 ہیں کہ وہ حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ یہی نہیں بلکہ اکبر علی خاں کی روانہ کردہ تمام
 شرائط کو تسلیم کر لیں۔ [کتوب ۱۱۶ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۶۸) سکیل صاحب بہت نفیس اور نازل حراج انسان ہیں وہ ان معنوں میں پبلشر
 نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کتابوں کی طباعت ان کے لئے پیش نہیں شوق کا
 درجہ رکھتی ہے۔ کتابوں کی طباعت پر وہ اس لئے خرچ نہیں کرتے کہ کتابیں انہیں اللہ نے
 بہت دے رکھا ہے انہیں بے حد ملال ہے کہ جو کام ان کی معرفت ہونا تھا وہ نہ ہو سکا۔

[کتوب ۱۲۶ جنوری ۱۹۷۰ء]

(۶۹) آج آپ کے خط سے جب معلوم ہوا کہ پرچہ مل گیا تو دل کو خوشی ہوئی ہے
 اعزاء اس میں شک نہیں کہ نقوش کا ایسا شمار کوئی اور نہ چھاپا ہے اور نہ آئندہ امکان ہے۔
 اگرچہ کہ ”نقوش“ غالب نمبر ۳ کتابت شدہ پڑا ہے مگر مولوی دن کی سی بات کہاں؟ آپ کا
 خیال درست ہے کہ نقس اور زیادہ صاف ہو سکتے تھے لیکن طفیل صاحب کو خالہا پریشانی یہ
 لاحق تھی کہ عرشی زادہ چال نہ چل جائیں اور کوئی دوسرا پازری نہ لے جائے۔ متن میں جو
 غلطیاں ہوئی ہیں ان کے بارے میں کبھی زبانی ہی عرض کروں گا لکھنا مناسب نہیں ہے۔
 اس میں تو شک نہیں کہ کام ہوا اور زوردار ہوا۔ مگر بھائی جب آپ نہیں کے تو باتیں ہوں گی
 کہ دل کس قدر خون کرتا پڑا ہے میری طبیعت کچھ ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہے میرے
 سوچنے بھیننے کی قوت ہی نہیں میرا سا راجہ و صرف ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتا ہے اور میں عضو
 معطل ہو جاتا ہوں۔ اس کیفیت سے گزشتہ مہینوں میں کئی بار گزرنا پڑا ہے۔

[کتوب ۱۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء]

(۷۰) میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کر کے معلوم کر لیا کہ انہیں توفیق صاحب کا عدیل

گیا ہے لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ اس سے کام کب چلے گا۔ اب اگر کوئی پبلشر اسے شائع کر
 لے تو قانونی طور پر وہ اسے کیوں کر روک سکتے ہیں؟ حکیم صاحب بھی اس نقطہ (کذا) کو سمجھ
 گئے تھے کہ قانونی طور پر وہ کچھ نہیں کر سکتے لیکن انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ قلم بڑے
 ادیبوں سے اخلاقی اپیل کر رہے ہیں اور یہ اخلاقی دباؤ بہت سخت ہے۔ اب لوگوں کو تو اصل
 حالات کا علم نہیں ہے اب تو صورت حال یہ ہے کہ اس پر ایک کتاب شائع ہو تو لوگوں کو
 اصلیت کا علم ہوگا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں نام و نمود سے گھبراتا ہوں۔ مصنفین المرخص
 صاحب نے ”اشاریہ غالب“ میں میرا شکریہ ادا کیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اُن سے
 صرف ایک بار ملا ہوں اور غالب کے سلسلے میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ اب جو کتاب آئی
 اور میں نے نام دیکھا تو پریشان ہوا انہیں خط لکھا وہ شاید ناراض ہی ہو گئے ہیں۔ اس لئے
 آپ انہیں لکھ دیجئے کہ میں ہر خدمت کو حاضر ہوں مگر ضروری نہیں کہ میرا نام بھی آئے۔
 ”علاشی غالب“ پر آپ نے لطیف حارف چھپوایا ہے مجھے آپ کی محبت اور غلوں کا پاس نہ
 ہوتا تو میں ہرگز اس کی اجازت نہ دیتا کیونکہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میں سوچتا ہوں ایک
 بار اور لاہور ہو آؤں۔ شیخ مبارک علی کے شیخ صاحبان سے میرے بھی مراسم ہیں۔ مطہم
 کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر سہیل صاحب یا کوئی اور صاحب آمادہ ہو گئے تو طفیل
 صاحب کو تو اعتراض بہر کیف رہے گا۔ ”نفوس“ میں جس طرح دیوان شائع ہوا ہے اُس
 میں بہت سی غلطیاں ہیں اگرچہ جن بقراط صاحب نے صحیح فرمائی ان کا فرمان یہ تھا کہ آپ
 نے اس دیوان کے پڑھنے میں تپے کھایا ہے۔ یہ تو درست ہے کہ آپ اُن (عمر طفیل)
 سے غافل نہیں ہیں لیکن اگر ان کی حسب غشا کام نہ ہو تو وہ بے حد زور دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک
 مرتبہ تو انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ مجھے حکیم صاحب کے پیدا کردہ حالات
 سے مطلع نہیں کریں گے اور بات اتنی تھی کہ جو مضمون آپ انہیں بھجوا سکتے تھے وہ مضمون مجھ
 سے چاہتے تھے اور میں مضمون انہیں لکھ بھی دیتا۔ میں نے انہیں لکھا بھی کہ صاف صاف

کھیں کیا چاہتے ہیں لیکن وہ تو بے حد محتاط انسان ہیں ایسی بات کیوں کہتے؟ — آپ کو معلوم ہے کہ جب تک کوئی قانونی چیز موجود نہ ہو کسی پبلشر کو روکا مشکل ہوگا اب اگر انہیں یہ معلوم ہو بھی جائے کہ تو قلعی اور اتھرا پنا پرانا معاہدہ منسوخ کر رہے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ معاہدہ منسوخ ہوگا تب ہوگا اس وقت تک اگر حکیم صاحب کے توسط سے روپیہ بنور چکے ہوں گے — یہ درست ہے کہ غلام علی والے اسے چھاپیں گے تو یہ ناجائز ہوگا مگر مستحکم کون ہے؟ [مکتوب ۱۱ فروری ۱۹۷۰ء]

(۷) — غالب کی قسمت دیکھئے خطیبوں میں پھنس گیا۔ بھوپالی صاحب ضلعی (توفیقی) ان سے بھی نمبر لے گئے لیکن خیر اب میں ایک اور وجہ سے پریشان ہوں۔ طفیل صاحب تو مجھ سے ناراض ہیں اب وہ مجھ سے نہ کچھ پوچھتے ہیں اور اس موضوع پر کیا خط کا جواب ہی نہیں دیتے ان کا خیال یہ ہے کہ اگر بھوپالی صاحب مضمون نہیں دیتے تو وہ ذمہ داری میری ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میں خود انہیں مضمون لکھ کر دینے کو تیار ہوں اور وہ چاہتے بھی یہی ہیں لیکن پریشانی یہ ہے کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ مضمون کی نوعیت کیا ہو؟ اور وہ خود اپنی تحریر میں اس قدر محتاط ہیں جیسے کہ میں ان کے خطوط کا مجموعہ شائع کروں گا اور ان پر کوئی الزام آجائے گا۔

حکیم صاحب تو قلعی مجھ سمجھے ہیں کہ ان کی دسترس میں کچھ نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اپنی کتاب کسی پبلشر سے شائع کرائیں۔ لیکن ہمارے دوست کی ناراضگی کو دور کیسے کیا جائے۔ حکیم صاحب جس قدر اخلاقی دباؤ ڈال سکتے تھے وہ بھی ختم ہوا۔ آپ سے ایک گزارش یہ ہے کہ اس کی تمام تر روداد نگہ ڈالئے۔ ابھی نہ کسی پانچ برس بعد کسی یہ کتاب چھپے کی تو لا جواب ہوگی۔ ڈی ایچ لائسنس کی ناول "لیڈی چنریز نوڈ" شاید اسی نہ فروخت ہو جتنی "نرمل اوف لیڈی چنریز نوڈ" فروخت ہوئی۔ یہ "روداد غالب" نہایت دلچسپ ہوگی اور آپ سے بہتر کون کہے گا؟ [مکتوب ۱۱ فروری ۱۹۷۰ء]

(۷۲) (توفیق احمد) کا خط قلیل کول کیا ہے۔ مجھے یہ انہوں نے احتضار پر ٹیلیفون پر دیا تھا لیکن مجھ سے تو وہ خطا ہی نہیں کھینے میں کمی خلل طو کھ چکا ہوں مگر وہ چپ ہیں۔ میں اب اس سلسلے میں انہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ بھی کچھ نہ کہئے۔ Avoid کرنا ہی بہتر ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں شاید مارچ کے شروع میں لاہور جاؤں گا تو ان سے باتیں ہوں گی۔ آپ نے جو انہیں تفصیل سے خط لکھنے کا ارادہ کیا ہے تو ضرور لکھئے لیکن اس طرح کہ بارود نہ لگ جائے۔ وہ تو یوں بھی بہت نازک حراج ہیں زور و زنج ہیں چپ سادہ لیتے ہیں اور ناراض ہو جاتے ہیں۔ اکبر علی خاں کا خط ان کے پاس آیا ہے جو شکایات سے بڑا ہے اور بہت سی باتیں پوچھتی ہیں۔ [مکتوب ۲۳ فروری ۱۹۷۰ء]

(۷۳) آپ کا ۲۳ فروری کا مکتوب آج ملا ہے۔ پہلا فقرہ ”آج کل پریشان ہوں“ میرے لیے پریشانی ہی کا نہیں بلکہ دکھ کا باعث بنا۔ میں آپ سے اس قدر دور ہوں کہ آپ کی پریشانی میں ڈھارس بھی نہیں بندھا سکتا۔ اگر آپ پریشانی کا سبب بھی تحریر فرما دیجے تو احسان ہوتا۔ میں تو ایک بات اچھی طرح سمجھ گئے ہوں کہ بچارے عظیم صاحب کچھ نہیں کر سکتے اگر وہ کچھ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوتے تو اب تک کر چکے ہوتے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی گرفت جو پہلے بھی مضبوط تھی بالکل ہی ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ اب پریشانی یہ ہے کہ قلیل صاحب جس زاویے سے چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہر شخص اسی زاویے سے ان چیزوں کو دیکھے اور سمجھے اور اگر دوسرے شخص نے دوسرے زاویے سے دیکھا اور وہ چپ سادہ لیتے ہیں اور اس کے متقی یہ ہیں کہ وہ ناراض ہیں آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہوگی کہ میں نے انہیں یہ لکھا تھا کہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں مجھے لکھ دیجیں میں اُسے پہنچا دے گا۔ آپ ہو گئے۔ خود وہ اس قدر محتاط ہیں کہ اپنے قلم سے ایک لفظ نہیں لکھتا چاہے سہاوا کوئی پڑھ لے اور کہے کہ اچھا حقیقت یہ ہے۔ حالانکہ انہیں سوچنا چاہئے کہ دوستوں کے درمیان اس قدر احتیاط بدگمانی کا

باعث ہو سکتی ہے۔ مثلاً انہوں نے مجھے ایک بار لکھا کہ حکیم صاحب سخت اخلاقی دہاؤ
 ڈال رہے ہیں تو انہوں نے حکیم صاحب سے کہہ دیا کہ ”صاحب آٹھ ہزار اور اراق کی کتاب
 دے چکا ہوں“ اور مجھے وہ عبارت نہ لکھی جو میں نقل کرو چاہتا تھا میں نے انہیں لکھا بھی کہ
 آپ نمونہ بنا کر بھیجے باقی میں کام کروں گا مگر احتیاط نے انہیں باز رکھا اور اب تو خط ہی
 نہیں آتا۔

_____ طفیل صاحب کا خیال صحیح تھا کہ عبدالرشید جاہل ہے اور گڑبڑ کر دے گا ان کا
 اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ البتہ ایک بات میں قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب ۲۹
 حضرات کے لئے انہوں نے پرچہ بھجوائے تو اس کا انتظام بھی کیا ہو گا کہ اس طرف اسے
 کوئی ٹھک نہ کرے اور یہ بات سمجھ ہی میں نہیں آتی کہ اس طرف یہ حرکت کسی نے کی ہوگی۔
 آپ اس سے سختی سے معوم کیجئے۔ اگر وہاں کوئی حرکت ہوئی ہے تو آپ خود اس معاملے کو ختم
 نہ کیجئے ہوئے صحیح حالات معلوم کریں۔ اور اگر ادھر کوئی بات ہوئی ہے تو لکھنے مطلق سے لکھوا
 لیا جائے گا۔ ”احکام غالب“ صرف پچاس پیسے کی کتاب ہے اور ظاہر ہے وہ بے فعال نہیں
 ہو سکتی۔ اسی طرح ”بہارِ صحت“، ”گلشنِ غائب“ غالب نمبر قیمتی چیزیں نہیں ہیں کہ بے فعال
 کرنے والا اُس سے کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ یہ جو ۲۹ حضرات کی فہرست آپ کو ملی بھائی ہے
 جو قبضہ بٹ رہا ہے وہ کس خوشی میں؟ میں نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ بین بٹنے دیکھا تھا اور
 حیران تھا۔ اب ایک جانب تو مالی بحران اور پھر یہ حالات، قابلِ داد بات ہے۔ آپ نے بھی
 ایک خط میں انہیں آف پرنٹ اور پچاس نفوس کے لئے لکھا تھا بہتر ہوتا وہ یہ انتظام بھی کر
 دیجئے۔ طفیل صاحب ہی نے مجھے یہ مژدہ سنایا تھا کہ ”ظاہر غالب“ کی مانگ بہت
 زبردست ہے۔ ان کی اطلاع کے مطابق کتاب کی جلد بندی ہو رہی تھی مجھے ذاتی طور پر کچھ
 علم نہیں۔ میرے خیال میں سہارن علی کو تو فیض سے خط نہیں لکھوانا چاہئے تھا۔ ہمارے
 دوست کے ہاتھ اسے کزور نہیں ہیں کہ دوسرا شخص ڈاکہ ڈال لیتا۔ لیکن اس خط سے اگر شیخ

مبارک علی کے صاحبزادے (مبارک صاحب کا انتقال ہو چکا ہے) ضرور یہ سمجھیں گے کہ یہاں کسی کے پاس حقوق نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ ہمارے دوست نے مجھ سے کہا ہے کہ ہم لوگ جس طرح چاہیں اور جس سے چاہیں طباعت کا معاملہ کر لیں لیکن کسی اور کے ہاتھ میں یہ معاملہ نہ جانا چاہئے۔ یہ انہیں معلوم ہے کہ میں سبیل صاحب سے اس کی طباعت کے سلسلے میں گفتگو کرتا رہا ہوں۔ جن شرائط نے مسودہ میں تبدیلی کی ان کا نام میں معلوم کر کے لکھ دوں گا۔ [کتوب ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۴) عبدالرشید نے جو ضرورت کی ہے اس سے بہت افسوس ہوا کوشش کیجئے کہ دو صحیح بات بتا دے۔ میں یقین کے ساتھ ایک بات کہہ سکتا ہوں کہ جب طفیل صاحب نے اسے حضرات کے لئے پرچے بھجوائے تھے تو انہوں نے اس کا انتظام بھی کیا ہو گا ایسے غیر ذمہ دار شخص سے آنکھ اجاتاب ہی بہتر ہے۔

طفیل صاحب نے بالکل چپ سا دھلی ہے میں حیران ہوں کہ میرا قصور بتلائے بغیر وہ ناراض ہو گئے ہیں شاید آپ کو خط لکھا ہو میرا لاہور جانا بوجہ نکل رہا ہے لیکن جاؤں گا ضرور۔ سوچتا ہوں اگر انہوں نے ملنے غنی سے انکار کر دیا تو؟ [۷ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۵) تلاش غالب کی Demand حد سے زیادہ ہے مگر افسوس کہ ولید میر کی نالائقی کی وجہ سے شاید اب تک کتاب مارکیٹ میں نہیں آئی میں ایسا انتظام کر رہا ہوں کہ حتی الامکان اس کے تمام واجبات ادا کروا دوں۔ عبدالرشید نے سخت زیادتی کی ہے۔ واقعہ کے تحت ہونے میں کیا کلام ہے لیکن ضروری ہے کہ اس کی تحقیقات ہو "راوی" کا غالب نمبر تو میں اور بھیج دوں گا آپ کے لئے بھی اور دستوی صاحب کے لئے بھی لیکن باقی کتابوں کا تو افسوس ہے ہی۔

— دیوانی غالب لکھڑا سرودہ کی روداد عدد درجہ دلچسپ کتاب ہوگی۔ آپ یادداشت مرقب کرتے رہئے جب یہ بادل چھٹ جائیں گے تو یہ دھماکا بھی زوردار ہوگا۔

[مکتوب ۱۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۶) آج میں نے اکبر علی خاں صاحب کو جواب لکھا ہے اپنے خط سے کچھ اقتباسات درج کرتا ہوں:

”آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ مئی ۱۹۶۹ء میں نو دریاقت کلام کہاں شائع ہوا؟ ڈار صاحب کی کتاب مئی ۱۹۶۹ء میں چھپ چکی تھی بلکہ یوں کہنے کے برابر میں چھپ گئی تھی کہ ان کا آخری مضمون ”دیوان غالب نسخہ امروہہ“ اس میں شامل کرنے کے لئے آیا اس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور یہ کتاب میں مئی ۱۹۶۹ء میں ہی لے آیا تھا۔ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ ہاں مارکیٹ میں نہ ملتی ہو تو اس کی اور بھی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اگست ۱۹۶۹ء میں نقوش شمارہ ۲۱۲ (کذا) شائع ہوا تھا اس میں جلال الدین صاحب کا مضمون ”قدیم ترین نسخہ دیوان غالب کی دریافت“ یہ مضمون نقوش کے صفحہ ۲۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مضمون میں تقریباً تمام نو دریاقت کلام موجود ہے۔ مجھے یاد نہیں آ رہا اسی زمانے میں میں کراچی گیا تھا۔ غالب ”انکار“ میں بھی ایک مضمون میں نے پڑھا تھا۔ لہذا یہ بات کہ نو دریاقت کلام لوگوں نے نہیں پڑھا تھا غلط معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے نسخے کے چھپنے سے قبل ہی تمام نو دریاقت کلام سامنے آ چکا تھا۔ آپ نے یہ تحریر فرمایا کہ آپ نے نسخہ مرثیہ زادہ کو خبر میں (شائع؟) کیا لیکن یہاں مئی ۶۹ء میں ”علاش غالب“ اور پھر اگست ۶۹ء میں جلال الدین صاحب کا مضمون شائع ہو چکا تھا۔ آپ پسند فرمائیں تو

میں یہ کتاب اور ”نقوش“ کا یہ نمبر آپ کو بھیج دوں؟ آپ خود ملاحظہ فرما لیجئے۔ آپ کا خط چڑھ کر مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ نے ”مطاشی غالب“ کی تلاش میں کسی صاحب کو بھیجا وہ اُسے تلاش نہ کر سکے اور آپ کو یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی مجھ ہی نہیں۔ چلئے یہ بھی تسلیم لیکن ”نقوش“ کا شمار ۱۱۲ تو ان صاحب کو مل سکتا ہے۔ ذرا ان صاحب سے کہئے کہ اس نمبر کو تو آپ کو بھیج دیں۔ مالک مخطوط کے بارے میں جو رائے آپ نے ظاہر کی ہے وہ صحیح ہی ہوگی کیونکہ اَوَّل تو اس نے جلال الدین صاحب پھر ثار صاحب کو دیوان نقل کرنے کی اجازت دے دی یہاں اخبارات سے مقدمہ کی صحیح صورت حال سامنے نہیں آتی۔ بس اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ مقدمہ چل رہا ہے اب یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ اس میں ملوث نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ شرفا کا یہ کام نہیں ہے لیکن ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے امید کرتا ہوں کہ آپ اس پر روشنی ڈالیں گے۔ ایک جانب تو آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ”میرا اس سے کوئی مقدمہ نہیں“۔ دوسری جانب آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”نقوش“ میں دیوان بغیر میری اجازت کے چھاپ ڈالا اگر بھوپال والے صاحب اور موجود مالک مخطوط اس کی ملکیت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ابھی یہ طے ہونا باقی ہے کہ اصل مالک مخطوط کون ہے اور جب یہ طے نہیں ہو سکا تو آپ کی اجازت کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ کیا آپ نے مخطوط خرید فرمایا ہے؟ یہ باتیں آپ کے خط سے واضح نہیں ہیں۔ ازراہ کرم اس پر ضرور روشنی ڈالئے کہ وہ کون سی وجوہ ہیں کہ جن

کی بنام پر جمال الدین صاحب کو یا طفیل صاحب کو آپ سے اجازت
یعنی ضروری تھی۔

طفیل صاحب نے قطعی خاموشی اختیار کر لی ہے مگر میں ایک وجہ سے پریشان ہوں، وقار عظیم
صاحب ۷ مارچ کو یہاں تشریف لائے تھے تو انہوں نے دوران گفتگو میں مجھ سے
دریافت فرمایا تھا کہ ”کیا آپ طفیل صاحب کے ہمراہ حکیم صاحب کے ہاں گئے تھے؟“
میں نے عرض کیا: ”جی ہاں ایک بار گیا ہوں۔“ اکبر علی خاں نے لکھا ہے کہ ”طفیل صاحب
نے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ انہوں نے تھیں ملتان کے کسی صاحب سے خریدے تھے خود طفیل
صاحب نے مجھے یہی لکھا تھا کہ انہوں نے آٹھ ہزار قیمت دے کر خریدے ہیں۔“ اب یہ
سراسر زیادتی ہے، وقار صاحب ہی کو سب سے زیادہ حکیم صاحب نے استعمال کیا کہ وہ
اخلاقی دباؤ ڈالیں اور بقول وقار صاحب طفیل صاحب نے نہایت محقول جواب دے کر
حکیم صاحب کو لا جواب کر دیا کہ صاحب مقدمہ کا فیصلہ تو ہو جائے۔ اگر اکبر علی خاں کے حق
میں ہوتا تو حکیم صاحب کہیں گے غلط کر دیا جائے گا اس پر حکیم صاحب راضی ہو گئے لیکن
ذرا غور کیجئے وقار صاحب نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی
تھی لیکن طفیل صاحب کی اس گفتگو سے کہ جس میں خرید و فروخت کا ذکر ہے مجھ پر بڑا حرف
آتا ہے۔ بھائی میں تو غریب آدمی ہوں میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ مجھے درمیان میں
تھمٹ لیا جائے۔ میں نے طفیل صاحب کو اسی روز خط لکھا تھا غمزدہ تو چپ ہیں۔

[کتوب ۷ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۷) میں ۱۴ جولائی کو راولپنڈی گیا ایک روز کے لئے مری۔ واپسی میں چار یوم تک
لاہور میں طفیل بھائی کے ہاں قیام کیا۔ طفیل صاحب کا حکم تھا کہ خلیفہ محمد حسن صاحب سے
”گل رحمت“ میں خود حاصل کروں، درود شائع کئے مگر خلیفہ صاحب کا بوند آئے۔ ان کا
خیال ہے کہ غالب کی اس خبر پر کی قیمت کم از کم پچیس ہزار روپے تو ملے اب وہ ان کے داماد

کے قبضے میں ہے اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ برٹش میوزیم لندن یا امریکہ کی کسی نوادرات خریدنے والی فرم کے ہاتھ اسے فروخت کریں گے۔ طفیل صاحب کا خط آیا ہے کہ آپ کا لکھا ہوا کوئی کارڈ تلاش کروں جس سے یہ ثابت ہو کہ نئو امروہہ سے متعلق آپ کا مضمون جو ”تلاش غالب“ میں چھپا ہے اور جسے بعد میں طفیل صاحب نے نقوش غالب نمبر ۲ میں شامل کیا ہے۔ اپریل ۶۸ء (کذا) میں لکھا گیا آپ کا یہ مضمون اپریل کے اواخر میں ولید نمبر کے پاس لاہور پہنچا تھا۔ خطوط تو آپ نے اس زمانے میں مجھے کئی لکھے لیکن خدا کرے کوئی کارڈ مل جائے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ ڈاکٹر گیان چند کا ایک مضمون ”نقوش“ غالب نمبر ۳ میں شائع ہوگا۔ دوسرے مباحث کے علاوہ وہ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ تصریحات اکبر علی خاں نے پہلے لکھی ہیں اور آپ نے وہاں سے نقل کی ہیں جو بعد میں ”نقوش“ غالب نمبر ۲ میں شامل کی گئیں حالانکہ ڈاکٹر گیان چند کا یہ خیال قطعی غلط ہے ڈاکٹر وحید قریشی نے مضمون لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ آپ کا مضمون اور ”نقوش“ پہلے چھپے ہیں۔ زادہ کا نئو بعد میں۔ مالک دام صاحب کے دو خط طفیل صاحب کے نام ایسے ہیں جو اس بات کا یقین ثبوت ہیں وہ خطوط بھی اشاعت میں شامل ہوں گے۔ اب طفیل صاحب جو کارڈ مجھ سے تلاش کر رہے ہیں وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے خدا کرے سب کا کارڈ مل جائے۔

”دور نامہ محقق“ نے ”گل رحمتا“ کا وہ نسخہ ایڈٹ کیا ہے جو مشفق خولجہ کو دہلی احمد بکراہی نے دیا۔ طویل مقدمہ میں وہی پرانی رٹ کہ نور یافت کلام کا فلاں حصہ میں نے دریافت کیا ہے وغیرہ۔ افسوس صرف اتنا ہے کہ مشفق خولجہ صاحب کو اور کوئی شخص نہ ملا جو ایڈٹ کرتا۔ توفیق صاحب کے مقدمہ کا کیا بنا؟ اکبر علی خان صاحب نے جس طرح خطوط غالب کر دیا ہے کیا توفیق نے اسے خاموشی سے گوارا کر لیا؟ سو کی جگہ ہزار نسخے چھاپے تھے اس کا ثبوت پریس سے مل سکتا تھا کیا اس پر بھی وہ خاموش ہے؟

آخر میں مجھے محترم جناب لطیف الزماں خاں صاحب کا تذول سے شکر یہ ادا کرنا چاہئے کہ ان کی تحریک سے ”دیوان غالب بخط غالب نئی سروہ“ کی دو داستان ”جو شخص“ و ”گھر طاق نسیاں“ بن چکی تھی پھر مرتب ہو کر سامنے آنی میں قومیت سے دوسرے کو چوں میں بھگ رہا تھا اگر لطیف صاحب آباد نہ کرتے تو شاید یہ افسانہ نانوشتہ ہی رہ جاتا۔ لطیف صاحب کا اس لئے بھی ممنون ہوں کہ ان کی اپنی ہی تحریروں سے بہت سی باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہو گئیں اور جو الزام انہوں نے میری کردار کشی کے لئے تراشے تھے وہ خود ان کے ہی بیانات سے ملطحاتیت ہو گئے۔ پھر بھی چند کچھ رو گئے اگر چہ اپنا زور وئے منطق ان کی صحت و صداقت کا بھی کوئی اعتبار نہیں رہا پھر بھی مختصر اعرض کر دوں۔

(۱) لطیف الزماں صاحب کا محمد طفیل مرحوم سے تعارف میں نے کر لیا تھا اور یہ پہلی بار ان سے ۱۳۶ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ملے تھے۔ تعلقات میں کسی قدر استواری بہت بعد میں پیدا ہوئی۔ محمد طفیل مرحوم ان کے رویے سے ناخوش بھی رہے اور مجھ سے وہ الفاظ میں کئی بار شکایت بھی کی میں دیوان غالب چھپ جانے کے بعد اس سارے قحطے کو قطعاً بھول چکا تھا۔ دنیا میں اور بھی ہزاروں کام ہیں ہزاروں غم ہیں ایک عیاض کے پیچھے خواہ وہ غالب ہی کی کیوں نہ ہو ساری زندگی تو نہیں بچائی جاسکتی وہ مجھ سے بعض قصبات پر چما کرتے تھے تو بھی مجھے یاد آتا تھا کہ کیا ہوا کیونکر ہوا؟ اب لطیف صاحب نے فہم کے وے کر حافظے کو پیدا کیا اور سارا سر و سامان بھی خود ہی فراہم کر دیا۔

(۲) لطیف صاحب کا یہ فرمانا کہ ان کے اور بیگم طفیل کے سامنے محمد طفیل مرحوم نے مجھے پانچ ہزار روپے بطور معاوضہ چھ ہزار روپے برائے توفیق احمد اور آٹھ ہزار روپے برائے مالک دھام صاحب (کل انیس ہزار روپے) دیئے تھے ایسا جھوٹ ہے جو وہی شخص بول سکتا ہے جو خدا کے وجود اور آخرت کے حساب کتاب کو ایک دھوکسے سمجھتا ہو انہوں نے اپنے عالم خیال میں ایک محفل سجائی اور اس میں بھائی صاحب کو بھی شریک کر لیا مادی دنیا میں

اور غارتی وجود میں تو کبھی قلیل صاحب نے اتنی بڑی رقم بچھڑی نہیں اس وقت (۱۹۷۰ء) کے انیس ہزار روپے آج کل کے دوا کھروپے کے برابر تھے۔ اگر یہ رقم میرے ہاتھ لگتی تو ایسی فقیرانہ شان سے کیوں رہتا جیسے اب زندہ ہوں نا لگ دام صاحب کو اب میں سال بعد اس پر یقین کرنے کے لئے آمادہ کر رہے ہیں۔ مگر انہوں نے کبھی مجھ سے یا کسی دوسرے شخص سے کٹھنڈ بھی اس امانت کے نہ ملنے کی شکایت نہیں کی۔ جب کہ یہ روپیہ دینے کے بعد محمد قلیل مرحوم ۱۵-۱۶ سال تک زندہ رہے اور ان کی زندگی میں میں نے تین بار لاہور کا سفر بھی کر لیا۔ ایسا جھوٹ بولنے سے کیا حاصل ہو چلتا تو کھار یک بھی نہ سکے۔ لطیف صاحب کو شاید میرے اور محمد قلیل مرحوم کے تعلقات کی نوعیت بھی معلوم نہیں۔ میرے دل میں ان کی طرف سے اگر کوئی دشمن پیدا ہوئی تو صرف لطیف صاحب کی وجہ سے۔ اور میں ان سے کچی کہتا تھا کہ انہیں سمجھاتے کیوں نہیں؟

(۳) لطیف صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے ”نقوش“ کے تین سو نئے سو روپے فی نسخہ کے حساب سے ہندوستان میں بیچ لئے جو ۹۰ ہزار کے ہوئے (یعنی آج کے ۷-۸ لاکھ روپے) اگر اکبر علی خاں صاحب اور لطیف صاحب کے تحقیقوں کو بارہ کر لیا جائے تو مجھے کروڑ پتی ہونا چاہیے جس کی بھاری جائیداد ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں موجود ہو۔ میں لطیف صاحب کے تمام مصارف برداشت کرنے کو آمادہ ہوں وہ ہندوستان آئیں اور جس طرح چاہیں میرے احوال اور اموال کی تحقیق و تفتیش کر لیں۔ اگر میں ۱۹۷۰ء سے اب تک ہر زمانے میں مقروض پایا جاؤں تو جتنا قرض ہو وہ لوگوں میں اور جو وہ کہتے ہیں وہ دولت میرے پاس ثابت ہو جائے تو سب ان کی ملکیت ہوگی۔

(۴) لطیف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ”رسولِ فیر“ کے لئے محمد قلیل مرحوم سے دس ہزار روپے طلب کئے تھے اس سے وہ مرحوم اسنے آزدہ ہوئے کہ ہمارے سے بات بھی نہ کی۔ اگر ہا قرض طلب بھی کئے ہوں تو اس میں عیب کیا ہے؟ آپ بھر کو بچتے

کو مہی کو کھلی کو بھی ضروری دینے بغیر کام نہیں لے سکتے ایک اہل قلم اگر اپنی محنت کا معاوضہ طلب کر لے تو یہ باعث شک و عار کیوں ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ میرے بیشتر مضامین نقوش میں چھپے ہیں اور میں نے کبھی مضمون کے معاوضے کے نام پر مرحوم سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ حساب دوستوں اور دل والا معاملہ تھا۔ لطیف صاحب کو وہ عکس کا معاوضہ دس ہزار روپے پیش کر رہے تھے تو کیا یہ رقم ان سے میں نہیں مانگ سکتا تھا؟ رسول نبر میں میری تین کتابیں اور دو مضامین شامل ہیں۔

(۵) لطیف صاحب ایک طویل فہرس درج کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ان حضرات سے عکس فراہم کرنے کا تذکرہ نہیں کیا۔ میں ایسا کم ظرف اور چھوڑا نہیں ہوں کہ جو بھی ملتا اس سے لازماً اس کا تذکرہ کرتا۔ یہ معاملہ میرے اور عقل صاحب کے درمیان تھا دنیا کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

میرے لئے یہ بہت ہی ناگوار اور یوں محمل کام تھا کہ لطیف صاحب کی مخالفت یا تردید میں قلم اٹھاؤں۔ مجھے سید انیس شاہ جیلانی نے مجبور کیا اور خود لطیف صاحب میری دودھ کے لئے آگئے۔ اللہ دہوں حضرات کو جزائے خیر دے۔

آخر میں کارنجی سے دو گزارشیں ہیں: میرے سامنے بہت سے ضروری کام ہیں جو خود ادھر سے پڑے ہیں اور رخش عمراپنی دوش میں ہے اس لئے آئندہ اگر لطیف صاحب کوئی اشتقاق چھوڑیں تو مجھے جواب دینے کے لئے مکلف نہ سمجھا جائے۔

دوسری التجا یہ ہے کہ آئندہ جو حضرات دیوان غالب کے اس نقشے پر قلم اٹھائیں وہ میرے کرم فرما لطیف الزماں صاحب کو کسی نامناسب نقطہ سے یاد نہ کریں۔ یہ مجھ پر کرم ہوگا۔

پروفیسر ڈاکٹر احمد فاروقی

۸۳۷ بلا ہاؤس، جاموہنگر Prof. N.A. Farooqi

۲۰ جون ۱۹۹۰ء

پوسٹ بکس نمبر ۹۷۲۳ Post Box No 9723

نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ New Delhi-110025

[ایک نقل تو حضرت نے اپنے مضمون کی مجھے بھجوائی اور ایک نئی دہلی کے کسی پر ہے
میں بچپن کی دہائی میں نے یہاں "طلوع افکار" کو اطلاع دی جواب عطا نہ دیا۔ دہلی
پر ہے سے مضمون "طلوع افکار" میں نقل ہوا جس کا ابتدائی حصہ میں نے یہاں
شامل کر لیا۔ مئی ۱۱۰ نومبر ۱۹۹۰ء محمد آباد تحصیل صادق آباد]

آپ کی مسامی رنگ لائیں اور آپ ڈاکٹر احمد فاروقی صاحب سے جواب آں
غزل لکھوانے میں کامیاب ہو گئے سر جابکم طلوع افکار اس مضمون کو اپنے آنکھہ شمارے میں
"کتاب نما" کے حوالے سے نقل کر رہا ہے کہ نقل کفر۔ آپ نے جو مضمون خاں صاحب
کے خطوط سے مرتب فرمایا ہے وہ ادارہ کے کاتب ست کام تاخیر رقم کے حوالے
کیا جا چکا ہے۔ تاخیر سے کسی لیکن ان شاء اللہ شائع ضرور ہوگا۔

[حسین انجم، طلوع افکار کراچی ۱۸/۱۲/۱۹۹۰ء نمبر ۱۸/۱۲/۱۹۹۰ء]

آپ نے "طلوع افکار" کی نقل بھیج کر میرے ۱۲-۱۵ دن خراب کر دیئے میں نے
کچھ لکھ کر آپ کو بھیجا تو آپ نے نفس موضوع کے بارے میں کچھ نہ لکھا اور دھڑکی پائی
کر دیں آپ کے دوست جو اردو کے صوفی گویوں کی تاریخ لکھنا چاہتے تھے خود کیا نظر
آئے؟ آپ کو اپنی رائے تو ضرور دینا تھی وہ مضمون آپ صرف طلوع افکار کو بھیج سکتے ہیں
اور کسی کو نہ بھیجیں۔ میں نے اب اس میں کچھ اور اضافے کر دیئے ہیں اگر ابھی اشاعت

روک لیں تو اور بھی اچھا ہے۔ آپ نے دیوان غالب بنظر غالب کے بارے میں پوچھا کہ اب وہ کہاں ہے؟ اصل نسخہ آج بھی اکبر علی خاں مرثی زادہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ دیکھئے کب ظاہر ہو۔ فیض الحسن فضل بھوپالی جنہوں نے نسخہ بچا تھا بس کچھ یوں ہی سے آدمی ہیں میری اُن سے ملاقات نہیں ہے۔ نہ اُن کے بارے میں کچھ تحقیق کیا نسخہ مرثی زادہ (مطبوعہ) تو بس مرثی زادہ صاحب سے حاصل سکتا ہے۔

[نثار احمد فاروقی کا مائیں ۱۳ اگست ۱۹۹۰ء]

آپ دہلی آئے دس چودہ دن میرے مہمان رہ کر میری نقل و حرکت کا معاملہ کیجئے پھر شکایت کیجئے۔ اتنی ہی بات آپ کے ملاتی دوست نے بھی سمجھ کر نہ دی اور آپ بھی اُن کے قطع قدم پر چل رہے ہیں۔ اب ۱۳ ستمبر کے مکتوب میں آپ نے یہ شکایت کی ہے کہ اپنا جواب مجھے چھوڑ دیا تھا تو آپ کو نقل بھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو نقل اس لئے بھیجی تھی کہ وہ آپ کی فرمائش اور تحریک سے لکھا گیا ورنہ میں اسے نہ تلاش کرتا نہ پڑھتا میں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ آپ اسے چھاپنے پر اپنا روپیہ خرچ کریں۔ اتنی زحمت دی تھی کہ مجھے طلوع افکار کا مکتوب نہیں ہے آپ وہ مضمون پڑھ کر انہیں بھیج دیں تاکہ "تقصیہ زمین بر سر زمین" طے ہو جائے۔ مارگزیدہ از رہ سمان سترسد۔

[نثار احمد فاروقی کا مائیں ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء]

[میرزا محمد جواب مضمون کتابچے کی نقل میں چھوڑنے کا اس وقت بھی تھا]

[میں ۱۱ نومبر ۱۹۹۰ء کو آہارا]

مٹی کا شمارہ جملائی میں وارد ہوا اس میں ہمارے دو خط بھی تو ہیں۔ یہ محض سمجھوتوں کی بات ہے ورنہ ہم نے ایسے کون سے فلسفے بکھا دیئے تھے جو ن کا طلوع افکار بھی موصول کر چکا ہوں جملائی کا انتظار ہے کیا جب اس میں وہ پروفیسر لطیف الزماں کے لطائف میرے مرتب کردہ چھپ گئے ہوں۔ لطیف الزماں خاں کے جواب اور نثار احمد فاروقی کی

مدافعت میں بھی مواد موجود ہے، میں تو چاہتا ہوں کہ آپ کے ہاں چھپے لیکن رسالہ تو پورے اجتماع سے آئے گا۔ خط کی رسید کی رسم بھی تو ڈالئے۔ دل لگا ہوا ہے زیادہ ادب۔

[انیس نام مسین الختم مطبوعہ دار مطبعہ افکار کراچی اکتوبر ۱۹۹۰ء]

محترم نثار احمد فاروقی صاحب نے جو مضمون میرے بارے میں لکھا ہے وہ میں اب تک حاصل نہیں کر سکا۔ ایک عزیز سے صرف اطلاع ہی ملی۔ جب مضمون مل جائے گا پڑھ لوں گا۔ یوں تو مجھے اندازہ ہے کہ انہوں نے کیا لکھا ہوگا۔ میرا مضمون ”دیوان غالب بخاطر غالب“ روداد اشاعت چھپنے سے قبل کئی احباب نے پڑھا تھا۔ ایک صاحب نے کہا ”کوبرا کی ذم پر پاؤں رکھ دیا ہے تم نے“۔ دوسرے صاحب نے کہا ”گندگی میں اینٹ پھینکنے کا انجام جانتے ہو؟“

ان اور ایسی باتوں کے باوجود میں نے مضمون شائع کر لیا اس کا رد عمل شدید ہوا گا۔ آپ ان کا مضمون ضرور شائع کیجئے۔ اگر ادب کے حوالے سے یا غالب کے حوالے سے کوئی بات ہوئی تو میں جواب لکھوں گا اور اگر گالی گلوچ ہے تو خاموش رہوں گا۔

انیس شاہ جیلانی صاحب سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ ہاں خط آتے رہے ہیں جواب لکھتا رہا۔ ان میں ایک عجیب عادت ہے کہ وہ ہر بات کو گریہ تے ہیں۔ یقین نہ آئے تو میرا صاحب کے خطوط جو ان کے نام ہیں پڑھ لیجئے۔ دیوان غالب ہی کے سلسلہ میں میں انہیں لکھتا رہا اور فریج ہو گیا اور درد خواست کی کہ میرے خطوط واپس کر دیں جواب آیا کہ پھاڑ دیجئے اور اب وہ میرے خطوط سے مضمون ترتیب دے کر چھاپ رہے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انہوں نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی جسے میں برداشت نہیں کرتا۔ ان کا کارڈ آتا رہتا ہے مگر میں جواب نہیں دیتا۔ آپ کا بھی چاہے تو چھاپ دیجئے۔ میں ادب نہیں ادب کا طالب علم ہوں۔ میں نے ہمیشہ تحریر کے پیچھے شخص کو تلاش کیا ہے۔ اور خطوط میں کبھی کہیں ذکر نہ کیا یا نجی گفتگو میں تو میں اپنی رائے کا اظہار کئے بغیر کبھی نہیں رہا۔ میری

ایک رائے ہے اور مجھے اس کا حق حاصل ہے کہ میں ایک رائے قائم کروں اور اس کا اظہار بھی۔ انیس شاہ صاحب تو بڑے باکمال انسان ہیں انہیں ایک شوق ہے کہ وہ بڑے لوگوں سے اپنے نام خط لکھواتے رہے ہیں۔ میر صاحب 'نیا فتح پوری صاحب' مولوی عبدالحق صاحب وغیرہ اور پھر انہیں شائع کرتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ وہ برصغیر کے کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتے ہوں گے۔

۱۹۳۶ء سے اب تک معلوم نہیں کتنے ادباء و شعراء سے ملا ہوں۔ کم لوگوں کو اچھا انسان پایا۔۔۔ ہمارے ادیبوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو اچھے انسان نہیں ہیں۔ ترقی پسند ناقدین نے کتنے ہی شعراء و افسانہ نگاروں کو ہانس پر چڑھایا۔ ساحر لدھیانوی ہوں یا فقیں قطائی ہیں تیسرے درجے کے شاعر مگر آپ دیکھئے ہمارے ناقدین نے انہیں کیا ثابت کیا۔ میں شروع کے گیارہ سال کراچی رہا ہوں اور ترقی پسند مصنفین کے پہلے جلسے سے لے کر آخری جلسہ تک ہر ایک میں شریک ہوا ہوں۔ اگر اس زمانہ میں جن لوگوں سے ملا تھا ان کے بارے میں لکھوں تو سوائے زسوائی کے کیا ہاتھ آئے گا۔ ایک معمولی سا ناقد بنے۔ بندر روڈ پر جس فلیٹ میں ترقی پسند مصنفین کے اجلاس ہوا کرتے تھے اس فلیٹ کو مزین اثری صاحب نے بکڑی پر اٹھا دیا اور جو رقم ملی وہ لے کر لاہور چلے گئے۔ کسی نے اس بات کو نہیں لکھا۔ اب اگر آپ میرا یہ خط شائع کریں تو ظاہر ہے اثری صاحب کو یہ سچ اس طرح کڑوا لگے گا جس طرح ناراضہ فاروقی صاحب کو یا ان ادیبوں کو لگے گا جن کے بارے میں چند فقرے بے تکلفی میں لکھ گیا ہوں۔

آپ کے علم میں ہے کہ غالب میرا پہلا اور آخری عشق ہے۔ کوئی کتاب یا مضمون شائع ہو تو خریدتا اور پڑھتا ہوں۔ انیس ناگی صاحب کی کتاب غالب پر آئی۔ پڑھی تو سخت بد مزہ ہوا۔ نہایت بے ہودہ کتاب۔ یاد ہیں کہیں کشور ناہید کے خط میں ذکر نکلیں آیا۔ میں نے وہی کچھ لکھا جو میری سمجھ میں آیا۔ کشور نے مجھ سے پوچھا یہ خط انیس ناگی کو

دکھا دوں۔ میں نے جواب دیا کہ جب میں خط لکھ چکا تو وہ آپ کی ملکیت ہے جو جی چاہے سو کیجئے۔ تو صاحب بات یہ ہے کہ مجھے بالکل پردہ انہیں کہ کوئی صاحب میرے خطوط کیوں چھاپتے ہیں۔ اب وہ ان کی ملکیت ہیں جو چاہیں سو کریں۔

”دیوان غالب بکھڑ غالب“ روداد اشاعت میں نے ”ارتقاء“ میں چھپنے کے لئے دیا تھا۔ دوستوں نے اسے رد کر دیا۔ اور کیسے کیسے دوست محمد علی صدیقی، حسن عابد اور راحت سعید۔ میں نے برا نہیں مانا۔ صرف غالب کے خطوط کے تراجم تو شائع ہوئے اس کے بعد بشیر صاحب نے کئی بار خط لکھا میں نے ایک خط انہیں لکھ کر نہیں بھیجا۔

میں نے ایک کتاب کا ابتدائی لکھا ہے چھپ جائے تو دیکھ لیجئے گا میں نے ثابت کیا ہے کہ آل احمد سرور صاحب، محترم اسلوب احمد انصاری صاحب، ڈاکٹر حسین الرحمن اور ڈاکٹر ابن فرید سب جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ وہ بات ہیں کہ تو نہیں کے تو ان جنوں کے بیماریاں جنہیں کے چلائیں گے کہ دیکھو یہ لکھ دیا وہ لکھ دیا۔ مگر میں سچ بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں ادب کا طالب علم ہوں اپنی رائے قیض اور شاعر کے بارے میں دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ سے ایک درخواست ہے کہ ڈاکٹر ثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون ضرور چھاپیں لیکن میں نے مالک خطوط کا خط جو میرے نام ہے اور جس کا عکس میں نے انجم صاحب کو بھیجا ہے اسے ضرور شائع کر دیجئے۔ اور اگر کوئی مصلحت ہے کہ وہ اسے نہیں چھاپتا چاہتے تو واپس کر دیں میں اسے کہیں اور بھیجوا دوں گا۔ تو فیض احمد کو وہ خط ثار احمد فاروقی اور اکبر علی خاں دونوں کے اصل چہرہ کو ظاہر کرنا تصویر کے دو نسخہ ہی کیوں شہر آرائی کیوں سامنے نہ آئے۔ (لطیف الزماں خاں نام حسین انجم مملوہ ص ۱۰۸، طبع ۱۹۹۰ء) کوئی نوٹ نہیں لکھا۔

حضرت میں نے تو خبر کر دی تھی کہ ثار صاحب نے بھی ایک نقل مجھے فراہم کر دی ہے آپ نے کوئی رسید ہی نہ دی تو میں کیا کرتا۔ یقین جاسے وہ جو لطیف الزماں خاں کے خطوط مرتب کر کے ارب سال کے تھے میں نے وہ تو مجھے یاد ہی نہ رہے۔ اچھا ہے اگر وہ آپ

کے یہاں چھپ جائیں۔ چنانچی اور واحدی کے خطوط بھی بھجوا سکتا ہوں۔ ایک بہت ہی مزے کا خاکہ قیصر حسین کا لکھا ہوا برطانیہ سے وصول کر کے طلوع افکار کی تذکرہ دہا ہوں اسے من و عن قرب ترین اشاعت میں چھاپ ڈالنے رسید چوں کہ آپ کم کم دیا کرتے ہیں اس لیے پیش کردہ پوسٹ کارڈ حوالہ اک کروا دیجئے گا۔

[انیس مئی ۱۹۹۰ء میں انجم مسعود نامہ طلوع افکار کراچی نومبر ۱۹۹۰ء]

مجھے احباب نے بتایا کہ آپ نے میرا مضمون ”دیوان غالب بظلال غالب“ رو داوا اشاعت اپنے موثر ماہ نامہ ”طلوع افکار“ میں رسالہ ”کتاب نما“ دلی سے نقل کیا ہے۔ خوشی ہوئی اور آپ کی شرافت قلم کا قائل ہوا۔ میں نے چند ہی عجمی اس کا جواب لکھا تھا اور آپ کا پتا معلوم نہیں تھا اس لئے یہاں ”کتاب نما“ کو دے دیا۔ آج ہی آپ کا ایڈریس دفتر ”کتاب نما“ سے حاصل کیا ہے۔

لطیف الزماں صاحب کے جن خطوط کے اقتباسات میں نے درج کئے ہیں ان میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی خریف، ضعیف، ترمیم یا تبدیلی نہیں کی ہے صرف وہ عبارتیں اخذ کر لی ہیں جو ”دیوان غالب“ سے حلق ہیں اور ان سب خطوط کے نو نوکر پاکستان میں ایک موثر ادارے کو بھیج دیے ہیں کہ جو صاحب قلمداری کے لئے خط و یکنا چاہیں وہاں دیکھ لیں۔ اس ادارے کا پتا بھی سب کو اذیت پر معلوم ہو جائے گا۔ اصل خطوط ہندوستان میں ایک بی بی قری لاہری کے ہاتھوں میں محفوظ کر دیے جائیں گے تاکہ آئندہ غلطیوں سے محفوظ رہیں۔

میں نے اپنے مضمون میں لطیف صاحب کے اصل الفاظ کو بھی باقی رکھا تھا مثلاً معیار (معیار) فصل بدل (فصل البدل) معصوم (میسور) مگر آپ کے نسخے نے صحیح کر کے مزہ کرکا کر دیا۔

اس مضمون کو جڑ کر بہت سے لوگوں نے اپنے تاثرات لکھ بھیجے ہیں۔ یہاں صرف تین حضرات کی تحریروں سے لکھا اقتباسات آپ کی دلچسپی کے لئے پیش کرتا ہوں:

(۱) . توفیق احمد قادری پشٹی: نواور فروش امر وہ (یہ وہی ہیں جنہوں نے دیوان غالب نظر غالب کیارہ روپے میں بھوپال کے شفیق احمد فصلی سے خریدا تھا۔ یہ آج بھی اس مخطوطے کے حاتمہ لک ہیں مگر مخطوطان کے قبضے سے نکل چکا ہے):

— آپ کا مسودہ بڑے غور سے مطالعہ کیا۔ خوب جواب دیا ہے۔ بہت سے انکشافات سامنے آ گئے ہیں! مجھے ابھی تک معلوم نہیں تھے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ تین بار پارلیمنٹ میں سوال کرائے۔ حضرت اس کا اثر تو میرے اوپر بڑا تھا ہی آئی ڈی کے لوگ میرے پاس آتے تھے اور مجھ سے سوال جواب کرتے ہیں (کذا) اس وقت کا منظر جو ہوتا تھا وہ میں ہی جانتا تھا۔ اس مصیبت میں تو ہم دونوں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ حق کا ساتھ دیتا ہے۔ آپ اس مضمون میں میرا ذکر ضرور کریں۔ مالک مخطوط (بقول اکبر علی خاں) ”ایک جاہل محض“ کو مصیبت میں ڈالنا کتنا بڑا جرم ہے۔ مگر اس ”جاہل محض“ کی مدد میرے اللہ نے کی۔ میں اکیلا ہی اپنی کجی کے مطابق ان سے باتیں کرتا تھا۔ ایک جاہل محض کے لئے یہ کتنا مشکل کا وقت ہوگا۔

سب سے بڑی مصیبت میرے لئے تھی آپ کے لئے نہیں۔ مخطوطہ کا الزام اکبر علی خاں نے میرے اوپر اسلگ لک کا لگایا تھا جیسا کہ اس کے نوٹس سے عیاں ہے۔ آپ نے اس مضمون کو بہت کچھ تھک چھوڑ دیا ہے۔ اکبر علی خاں کے نوٹس کا مطالعہ اور کر لینے تو اور مزہ آ جاتا۔“

(۲) جناب مظہر امام: (درہنگا) — آج مکتبہ سے گشت اور تبرک کا کتاب لڑا لایا اور ایک ہی نشست میں آپ کے مضمون کی دونوں قطعیں پڑھ گیا۔ طریقت بے حد خوش ہوئی۔ یہ ایک فرض کتاب تھا جسے آپ نے ادا کیا۔ اس کی واقعی ضرورت تھی۔ لطیف الزماں کے مضمون سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ میں کچھ نہیں سکا کہ آخراں کے مضمون محرک کیا تھا۔ دوستی کی دہائی دینے کے بعد ایسی رکیک حرکت انہوں نے کیوں کی۔ مضمون

زیادہ تر لطیف صاحب کے غلطوٹ پر مشتمل ہے لیکن آپ کی جتنی بھی تحریر ہے وہ بے حد خوب صورت ہے۔ مبارک باد۔

(۳) ہو دیال سنگھ بھل: موہاں چنڈی مڑھ۔ آپ کا مضمون ”دیوان غالب نظر غالب“ (ردِ ادا شامت) ”مطبوعہ ماہ نامہ کتاب نما“ پابت شمارہ اگست ۱۹۹۰ء پامروہ نواز ہوا۔ مکتور بلکہ مکتور چڑھا۔ ہر مرتبہ نیا لطف پایا۔ نفس مضمون اور پھر حسن بیان ”سبحان اللہ“ ایسے مضمون کے لئے ایسا ہی قلم مطلوب تھا۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہو گیا۔ خوب خبر لی ہے آپ نے ”جناب فراڈ کی“۔ قبلہ یہ الفاظ میرے نہیں میرے ایک شناسا کے ہیں۔ اسے کہتے ہیں وصول کی پول کھولنا۔ واقعی جادو وہ جو سرچہ کر بولے۔ جیتا دودھ کی اپنے گسترہ دام میں پھنس کر ضیہ ہو گیا۔ چاہ کن ما چاہ در پیش۔ آپ نے اختتام مضمون پر فرمایا ہے: ”میرے کرم فرما لطیف الزماں صاحب کو کسی نامناسب لفظ سے یاد نہ کریں۔ یہ مجھ پر کرم ہوگا۔“

قبلہ۔ قارئین پر یہ قدغن کیوں؟ کیا قارئین کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوتا دیکھ کر اپنے تاثرات کا اظہار کر سکیں۔ احقر کو تو آپ کی خواہش کا احترام ملحوظ ہے۔ لیکن کس کس کی زبان بندی کی جائے؟

ایک دوست نے مضمون پڑھ کر مہکا کہا: ”بھئی ہمیں تو یہ قسم کے دھرماتما پن کی بات پسند نہیں۔ فاروقی صاحب کیوں خاموش رہنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔“ مزید فرمایا: کثیف الزماں۔ یا اللہ ماں کی کثافت اور ثبوت اثبات پر پریشانی پر وہ کیوں ڈالا جائے؟ کسی کو قصور ادب میں کثافت پھیلانے کا حق کیوں دیا جائے؟ ایسے کردار کشتی کے تھکین محلے میں غصہ و مخوضت کا سوال کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔ قبلہ ہم پنجابی ڈاٹکھے لکھنوی اور دہلوی (خیراب تو دلی کا حراج پنجابیت کا حال ہو چکا ہے) نفاست و لطافت کیا جانیں؟ ہم تو محض ایک عی کلچر یعنی انگری کلچر جانتے ہیں۔ البتہ حق کی پاسداری و ہمارا ایمان ہے۔ ہم

غالب کے طرف دار نہیں، جب سخن مسترانہ بات آن پڑے تو منصور دار اور ستراط کی طرح سر یکف بھی ہیں۔

آپ کی دراسات نظر سے گزری تھی۔ اپنے محدود علمی مطالعہ کے باعث مستفید نہ ہو سکا۔ میر کی سوانح نام تھا شاید۔ ذکر میر سے البتہ لطف اعمدہ ہوا تھا جس ماحول اور خطہ میں جہاں آج مقیم ہوں، علم ادب بالخصوص اردو قاری و عربی سے تو لوگ سراسر نا آشنا ہیں۔ پھر حافظہ اپنا اعمدہ خالق نہ کرے تو کیا کرے کسی قدر حسرت ناک بات۔ قبلہ۔ گزارش ہے کہ اپنا حقیقی تنقیدی و علمی کام جاری رکھئے۔ آپ کے قلم کو ہر بار سے ہمیں بے شمار فوائد ہیں۔ آپ کی تقریریں قوی اور بشری کا اثاثہ ہیں۔ آنے والی سطیلس فکر سے ان کا مطالعہ کریں گی اور سر دشمن کی۔ آپ ایسے سر بھر سے دنیائے ادب کے فخر وادب ہوتے ہیں۔
انھیں کے فیض سے بازار عقل روشن ہے
جو گاہ گاہ جنوں اختیار کرتے رہے

بقول کامو: It is the rebels in a society that make it dynamic (Camus)

نکتہ ہمیں تو قدم قدم پر موجود ہیں۔ صحت مند اور ہمدردانہ نکتہ چینی اور تنقید کو تو ہم آگاہ و صدقہ کہتے ہیں لیکن لطافت و کثافت ایک ساتھ گوارا نہیں۔
عربی تو میں دلش زخمائے رقیباں
آوازِ سکاں کم کلمہ رزقِ گدا را
دیکھئے عظیم مباپوری کیا فرماتے ہیں بیچ اس معاملے کے:

۔ معترض کے منہ سے ہے کتا بندھا ہوا

اس لئے سننا پڑے گا غف غف

کس مزاج کے معترض؟۔۔۔ اور۔۔۔ "بڑے باپ کا چھوٹا بیٹا" صرف پدرم سلطان ہو "۔
یہ آخری جملہ بھی انہیں صاحب کا ارشاد ہے۔

اس خط میں بعض الفاظ نامناسب آگئے ہیں، کچھ میں نے حذف بھی کرو دیے ہیں اس کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ ابھی ”باوۃ شبانہ“ کے کچھ سرمست ادھر ادھر گوشوں میں پڑے ہوئے ہیں اور مع

افسانہ آں شے کہ بیاہر گزشت

آج بھی اُن کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ حالات کی بے رحمی سے یا دون کا یہ خزانہ کتنا جا رہا ہے مگر اُن کے عہد وفا کی استواری بدستور باقی ہے۔“

[دار احمد فاروقی، عام حسین، انجم، مطبوعہ دار، طلوع افکار، کراچی دسمبر ۱۹۹۰ء]

ایسا یاد آتا ہے کہ ۱۹۹۰ء پر ایل کوئٹہ نے آپ کو خط لکھا تھا اور اسی کے ساتھ دیوان غالب، غلط قلاب کے خطوط کے مالک توفیق احمد صاحب کے خط کا عکس روانہ کیا۔ وہ آپ کو نہیں ملا۔ اب پھر اس کا عکس بھیج رہا ہوں۔ اسے آپ ضرور شائع کرو بیٹے ورنہ مجھے آپ سے شکایت ہوگی۔

دار احمد فاروقی صاحب نے خود تو کچھ لکھا نہیں، میرے خطوط سے اقتباسات شائع کئے ہیں۔ پہلے آپ شبابِ ردو لوی صاحب کی بات سنئے:

”انہیں بہر حال کچھ تو لکھنا ہی تھا۔ اس موقع پر ان کی مولوی کی تعلیم کام آگئی۔ جس طرح مولوی آیات قرآنی کو اپنے مقصد کے لئے ادھر سے ادھر جوڑ دیتا ہے اسی طرح انہوں نے آپ کے خطوط کو ادھر سے ادھر جوڑ دیا۔“

تو حضور والا آپ مجھے اور مولوی کو ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑا کئے دے رہے ہیں۔ آپ کے لئے مولوی بھی محترم اور میں بھی۔ نہیں بھائی میں محبت کا تادان دے چکا آپ مولوی صاحب ہی کو محترم جانئے۔

قبلہ مولوی صاحب نے میرے اُٹھائے ہوئے سوالات کا جواب نہیں دیا۔

میرے ہی خطوط سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ میں نے غلط بیانی کی ہے۔ آپ دوسری قسط شائع کر لیجئے۔ میں اس کے بعد اس سلسلہ کا آخری مضمون لکھوں گا۔ آپ شائع فرمائیں گے؟ میں اس نسل کا پتھان ہوں جو صحبت کی خاطر ہر الزام اپنے سر لے لیتا ہے لیکن قرض ادا کئے بغیر مرتا نہیں اور قرض صرف دوپے پیسے کا نہیں ہوتا تحریر کا بھی ہوتا ہے۔

[لطیف الزماں خاں، حام حسین، انجم سلیم، داد نامہ، طبع انکار، کراچی، دسمبر ۱۹۹۰ء]

مجی مظہر جمیل صاحب کا کرم نامہ پچھلے جلتے آیا تھا اطلاع یہ کہ ڈاکٹر ثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون جو انہوں نے ”دیوان غالب بظہر غالب روداد اشاعت“ کے جواب میں طبع انکار کے آئندہ شمارے میں شائع کر رہے ہیں۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مضمون ضرور شائع کریں لیکن توفیق احمد مالک خطوط کے خط کا ٹکس بھی ضرور شائع کرویں۔ یہ خط میرے نام ہے اس خط کو اگر شائع نہ کریں گے تو مجھے شکایت ہوگی۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

[لطیف الزماں خاں، حام حسین، انجم سلیم، داد نامہ، طبع انکار، کراچی، جنوری دسمبر ۱۹۹۱ء]

آپ کا ہر شمارہ نہ صرف یہ کہ پابندی سے شائع ہوتا ہے جو ایک نہایت ضروری چیز ہے بلکہ صوری اور معنوی حیثیت سے بھی جاؤ بد نظر ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں لطیف الزماں خاں اور ثار احمد فاروقی صاحبان کی بحث کو بہت دلچسپی سے چڑھ رہا ہوں۔ کاش یہ دونوں حضرات اس امر پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالیں کہ ”خطوط“ ۱۹۶۹ء کا جملی ہے۔ [محمد رضا کاشی، حام حسین، انجم سلیم، داد نامہ، طبع انکار، کراچی، مارچ ۱۹۹۲ء]

”دیوان غالب بظہر غالب“ بڑی چونکا دینے والی تحریر ہے۔ ثار احمد فاروقی صاحب نے جو چونکا دینے والے اہم انکشافات کئے ہیں انہیں چڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے قلم کار روایتی منہیت اور شہرت کا اخلاق کے لئے دامن کس ”ذہناتی سے تار تار کر کے اتنی پست سطح پر اتارتے ہیں کہ دیکھ کر حیرانی اور پشیمانی ہوتی ہے۔ بہر حال ابھی اس

مضمون کی پہلی قسط آئی ہے پورا مضمون شائع ہونے کے بعد شاید لطیف الزماں صاحب بھی اپنی صفائی میں کچھ وضاحت پیش کریں۔ یہ سلسلہ جاری رکھئے تاکہ اصل حقائق سامنے آسکیں۔ [سرور ہمالوی حکیم حسین انجم سلوواد نامہ طلوع افکار کراچی مارچ ۱۹۹۹ء]

اس مزید (ابوالحسن جیلانی) نے مختصر گفتگو کی اور بات شروع کی تو مظلوم ہوا کہ محترم ڈار احمد فاروقی صاحب نے جو کرم میرے حال پر کیا ہے وہ طلوع افکار میں پڑھتے رہے ہیں انہیں صرف ایک بات ناگوار گزری ہے کہ میں نے یہ کیوں لکھا کہ مرحوم طفیل صاحب نے انہیں انہیں ہزار روپے دے دیے تھے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ بیگم طفیل بفضلہ ذمہ ہیں فاروقی صاحب ان سے ترویہ کرا دیں میں ان سے ہی نہیں ہر اردو داں سے صفائی مانگ لوں گا۔ ایسے اور کئی واقعات ہیں جو مجبوراً کسی موقع پر لکھنے پڑیں گے۔ مجھے اس کا بڑا اطمینان ہے کہ مجھے ان کی غلط بیانی کی وجہ سے وہ مضمون لکھنا پڑا اور وہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے جو سخر جھوٹ بول رہے ہیں بلاخر پردہ چاک ہوگا۔ وہ کرب دکھا کر میری املا کی غلطیاں ضرور نکالیں لیکن میں ان کے کثرت بھی سامنے لے آؤں گا ایک تو وہ عالم پھر عربی کے عالم وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں مجھے اعتماد ہے۔

[لطیف الزماں خاں حکیم انجم سلوواد نامہ طلوع افکار ۱۹۹۹ء]

لطیف الزماں خاں اور ڈار احمد فاروقی کے جھگڑوں کو طلوع افکار کے صفحات پر پیش کرنے سے خردمندی کو کس طرح توانائی ملتی ہے میں نہیں سمجھ سکا۔ اب لطیف صاحب ترقی پسندوں کی بے شمار گزروں پر سے پردہ اٹھانے والے ہیں۔ میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ خاندان کے جھگڑے خاندان کے اہل و عیال پر کئے جاتے ہیں جو انہیں برسرعام کرتا ہے وہ سرخرو نہیں ہوتا۔ [سید مرتضیٰ حکیم حکیم حسین انجم سلوواد نامہ طلوع افکار کراچی اپریل ۱۹۹۹ء]

میں نے اپنے مضمون ”دیوانہ غالب بخط غالب روداد شامت“ میں یہ لکھا تھا کہ محترم ڈار احمد فاروقی صاحب نے میری اور بیگم طفیل کی موجودگی میں انہیں ہزار روپے کی

رقم وصول کی۔ پانچ ہزار فاروقی صاحب کے لئے چھ ہزار تو فیسی احمد کے لئے اور آٹھ ہزار جناب مالک رام صاحب کے لئے تھے۔ فاروقی صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس کی تردید بیگم طفیل سے کروادیں کہ ان کی اور میری موجودگی میں انہوں نے انیس ہزار روپے نہیں لئے۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے بیٹے جاوید طفیل سے کہیں کہ وہ نقوش میں جس کے ایڈیٹر جاوید طفیل ہیں اپنی والدہ کی تردید شائع کر دیں۔ برصغیر میں نہیں پوری دنیا میں اُردو پورے لکھنے اور پڑھنے والوں سے دست بستہ معافی مانگ لوں گا بالخصوص فاروقی صاحب کے مداحین سے۔

یکم جنوری ۱۹۹۱ء کو جب میں نے بیگم طفیل کو بتلایا کہ فاروقی صاحب انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے طفیل صاحب سے انیس ہزار روپے نہیں لئے تو وہ کہنے لگیں:

”جھوٹ بول رہا ہے فاروقی۔ جس دن روپے دیے تھے اس سے دو دن پہلے طفیل صاحب نے میں ہزار روپے لا کر دیے تھے اور کہا تھا کہ ان میں سے انیس ہزار ڈالر احمد فاروقی کو دینے ہیں۔ جو رقم آپ کی اور میری موجودگی میں دی تھی اب وہ اس سے انکار کرتا ہے۔ میرے مرحوم شوہر کو آپ کو اور مجھے جھوٹا کہتا ہے۔ شرم نہیں آتی اسے۔ طفیل صاحب نے اس کی اس وقت پردوش کی جب وہ پڑھتا تھا۔ آج جب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو وہ انہیں جھوٹا کہتا ہے۔ وہ خود جھوٹا ہے۔ میرا انصاف خدا کے ہاں ہوگا۔ میں نے تو جاوید سے کہہ دیا ہے کہ یہ شخص مجھے ڈراما اچھا نہیں لگتا اس سے کہہ دو یہاں نہ آیا کرے۔“

جب بیگم طفیل مندرجہ بالا باتیں کہہ رہی تھیں ان کی تین پوجاں بڑے غور سے حرام ہاتھیں کر رہی تھیں۔ تردید کروائیں فاروقی صاحب۔

توفیق احمد چشتی قادری (امروہی)

(توفیق احمد قادری چشتی امروہوی کے درج ذیل مکتوب کا کٹس ہمیں ملیف

الہامی خاص صاحب نے حمایت فرمایا ہے جو ہم انہی کی ایماء پر شائع کر رہے ہیں)

آج مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۹۰ء کو مجھے ہندوستان دہلی سے نکلنے والا رسالہ اردو "شان ہند" شمارہ ستمبر ۱۹۸۹ء پڑھنے کو ملا جس کے چیف ایڈیٹر دیبا پرکاش صاحب ہیں۔ انہوں نے "طلوع انکار" کراچی شمارہ مارچ اپریل ۱۹۸۹ء سے آپ کا مضمون بعنوان "دیوان غالب، بختہ غالب" چھاپ دیا اور ساتھ ہی ساتھ ایڈیٹر موصوف نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ اکبر علی خاں اور ڈاکٹر ارمہ قادری صاحب فرما رہے ہیں کہ گویا کہ ان کے منہ پر کھلم مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔ آپ نے ان دونوں اخبار دیہوں کو برسر عام دنیا کے اردو کے درمیان بالکل برہنہ کر دیا ہے۔ آگے کے لئے آپ کا قلم خدا خیر کرے۔ ان دونوں ادیبوں کے جسم پر اب کپڑے نہیں جھاپنے جسم کو ڈھک لیں۔ ڈاکٹر ارمہ قادری صاحب سے مجھے ابھی تک محمد طفیل صاحب مرحوم کی طرف سے چھ ہزار روپیہ دی ہوئی رقم میں سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملی ہے۔ اکبر علی خاں نے میرے "دیوان غالب، بختہ غالب" کو "عرشی زاہد" کے نام سے چھاپ دیا۔ مجھے ان نام سے اسی وقت سے نفرت ہے اور اہل ادب کو بھی۔ اکبر علی خاں نے اس کی ۱۰۲۵ کاپیاں طبع کرائیں اور اس کی قیمت اڈھا انہوں نے ۱۰۰ روپے رکھی اس کے بعد اس نے اس کی کل ۱۰۰ کاپیاں پبلک کوڈ کو کھائیں اور قیمت فی نسخہ ۳۰۰/۱۰ روپے رکھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۰۲۵ کاپیاں فی نسخہ ۳۰۰/۱۰ روپے کے حساب سے فروخت ہوا اس نے ان طبع شدہ حساب میں سے بھی ایک کوڑی مجھے ادا نہیں کی۔ اور آج تک اس نے مجھے "دیوان غالب، بختہ غالب" کا اصل نسخہ واپس کیا۔ میں

دعائے غالب غالب غلط غالب سے مطلق اہم ترین کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاغذیں ارسال خدمت کر رہا ہوں تاکہ محقق کے سامنے تمام چیزیں رہیں اور کسی ایسے تجویز پر پہنچ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے یہی ایسے محقق کے معنی ہیں!

آپ نے اپنے مضمون میں یہ دل آویز جملے میری طرف منسوب کر دیے ہیں کہ اکبر علی خاں نے میرے جوتے مارے بالکل غلط ہیں۔ مجھے ایسے جملوں سے صدمہ ہوا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اکبر علی خاں نے مجھ سے رسید کسوائی تھی اس کے بعد میں ان کے گھر اپنا دیوان لپٹے گیا اس وقت انہوں نے مجھے کیمین بڑیل عمارت آمیز جملے میرے لئے اور میری برادری و احباب کے لئے استعمال کئے۔ البتہ جوتوں کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد اس کیسے حرام زادہ نے مجھے ایک بے ہودہ فحش دے دیا۔ میں شہر امر دہ کے سیاسی اور سماجی بزرگوں کو لے کر گیا ان کے اسم گرامی اس طرح ہیں۔ شرافت علی امر دہوی اکبر اے ایل اے مار کسوا دی کیونسٹ پارٹی جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ دوسرے بزرگ سید محمد میاں رضوی مرحوم امر دہوی سابق مختار زمین سونہل امر دہ۔ تیسرے بزرگ حامی غفر الاسلام شوزمر چنٹ امر دہ۔ کیا ان کے سامنے اس کی یہ جرأت اور ہمت ہو سکتی تھی جو میرے جوتے مارنا ایک ہنگامہ ہو جاتا تھا اس سے برداشت بھی نہ ہوتا۔

ہندو پاک کے ابوجھلی ذہنیت رکھنے والے نام نہاد شرفاء ہندوستان کی بسنے والی پیشہ ورا توام کو کیمین جیسے دل آزار جملے استعمال کر کے اپنی عافیت خراب کرتے ہیں۔ قوم شرفاء میں سے جب کوئی شخص بگڑتا ہے تو وہ کیمین کی عدد و پار کر کے دیوہ الٹیس تک سے آگے چلا جاتا اس وقت شیطان بھی اس سے پناہ مانگنے لگتا۔ یہی حال شہزادہ راجہ لاروٹی اوسا کبر علی خاں صاحب کا ہے۔ یہ دونوں ادیب نام نہاد شرفاء کے ہی فردِ زعماء ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ملک کا حق کا حق میں ان کے خود آ رہا ہے۔ رسولِ عربی نے کہا تھا کہ مسلمان کی شرافت اس کے تقویٰ پر ہے نہ کہ نسب پرستی کے جوں پر۔ اکبر علی خاں نے رضالاہری

کے اہم ترین مخطوطات اور وہاں کی ایرانی مغل پینٹنگ بھی اسٹیک کر دی ہے عرشی کے زمانہ میں — پینٹنگ تھیں اب ۳۰۰ بھی نہیں ہیں لاکھوں کروڑوں روپیہ اس نے کمایا ہے لوگوں کا اندازہ ہے اس کے پاس بے شمار دولت ناجائز ہے۔ میں آپ کی خدمت میں دو اشتہار بھی ارسال کر رہا ہوں یہ دونوں اشتہار رام پور کے دیواروں پر چسپاں ہو چکے ہیں اور وہاں کے اخبارات اکبر علی کو تلاؤ کر تو نے رام پور کی عزت بردار کر دی ہے مگر بڑے بے عزت بے حس انسان ہیں۔ اگر کوئی نئی تحقیق آپ محترم عام پر لائیں گے مجھے ضرور ضرور ارسال فرمادیں عین نوازش ہوگی۔

غلام قلی احمد قادری چشتی امر دہوی

۳/۱۱/۹۰

ابھی ابھی میں لاہور آیا یعنی سورج ۳ مارچ ۹۰ء کو داخل لاہور ہوا۔ یہ خط آپ کو لاہور سے پوسٹ کر رہا ہوں۔

[لطیف الزماں خاں مہتمم انجمن اہل علم و ادب لاہور، طبع ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں بقلم خود

اکاؤ کا تو ہمیں بھی اب لوگ جان گئے ہیں 'لطیف صاحب تو خاصے معروف ہو چکے۔ جاننے اور پہچاننے میں ایک فرق ہے تو میں پروفیسر صاحب کو جاننے ہی کی حد تک ہوں۔ ملتان شریف ہائیکس خواجہ کی چمکتی ٹنگن ہے نہ ہو لیکن رکن عالم بہاؤ الدین ذکر کیا۔ جس تہذیب تو بہت مشہور ہیں بلکہ وہاں سوالا کہ بزرگان دین کے مزارات کے قصبے عام ہیں۔ رحیم یار خان سے لطیف الزماں خاں کا چادرہ گورنمنٹ کالج ملتان کا ہوا تو وہ ہیں کے ہو کے رہ گئے۔ مستقل نمک نہ بھی ملتان شریف ہے اور کو سا بھی ملتان ہی کو جاتا ہے۔ "نامستقل ہستی" لطیف الزماں خاں کا تجویز کردہ ملتان کا نیا نام ہے۔ اور یہ آپ کے "طالع افکار"

میں چھپ کر عام ہو چکا ہے۔

میرے گاؤں (جی راکوٹھ) سے رحیم یار خاں کا خاں صاحب مل گیا ہے۔ آنا ہانا لکھی رہتا ہے۔ یہ مجلس اتفاق ہے ہم سے ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور وہ اب تک نہیں ہوئی۔ ہم دونوں ہر بلا سے محفوظ چلے جاتے ہیں۔ مراسلت کا ڈول (گمان غالب کی ہے) میں نے ڈالا ہوگا۔ قدر مشترک لکھنے پڑھنے کے سوا اور کیا ممکن ہے۔ غالبؔ سے محبتوں میں وہ مجھ سے کیوں بہتوں سے آگے ہیں۔ پڑھاتے وہ انگریزی ہیں۔ دیبا خط اردو سے ہے اور اب تو لکھتے بھی گئے ہیں۔ پروفیسر کے بہت سے خطوط ضائع ہو گئے۔ میں نے ضائع کر دیئے یہ جو تیس خطوط سے اقامت سات چالی کے بارے ہیں ان میں ذکر چونکہ بہت کچھ معروف لوگوں کا تھا اس لئے محفوظ رکھے۔ آگے چل کر لطیف الزماں خاں کوئی توپ چیز بن جائیں گے۔ یہ جانتا اگر تو ایک ایک ہندو بھت بھت کر رکھتا۔ خاں صاحب ہازک حراج بھی ہیں۔ میں تو بھی کبھا رکھتا رہتا ہوں وہاں سے رسید نہیں آتی۔ اس لئے میرے ذخیرہ نوادار میں اضافے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ لہذا جو کچھ ہے حاضر ہے اسے تقبیلت جائے۔ [انجمن محمد آباد فیصل صادق آباد]

ذیل مجھے پر قاضی عبدالودود صاحب کے ملاوہ اور حضرات نے بھی لکھا ہے لیکن اسوس کی باوجود تلاش کے اس وقت کوئی دستیاب نہیں ہو سکا۔ دوسرے یہ کہ میں چاہتا تھا کہ ان مضامین کو پڑھ کر باقاعدہ ان پر اگر افزہ کے حوالے آپ کو دے سکوں جہاں مطابقت پائی جاتی ہے لیکن مضامین نہیں ملے۔

نقوش (اکتوبر و دسمبر ۱۹۶۶ء) میں قاضی عبدالودود صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا: ۱۔ حافظہ اور ذال فارسی (صفحہ ۵۱۹) اور دوسرا مضمون تھا۔ غالب اور ذال فارسی۔ یہ دوسرا مضمون ”آج کل“ (دہلی) میں شائع ہوا تھا۔ اب یاد نہیں آتا کہ شمارہ کون سا ہے اور کس سال کا۔ قاضی صاحب ہی صحیح بتا سکتے ہیں۔

تجربہ غالب کے نام سے حکومت ہند نے آج کل کا انتخاب گزشتہ فردری میں شائع کیا تھا اس میں بھی قاضی صاحب کا مضمون غالب اور ذال قاری موجود ہے۔ مگر یہ حاصل کہاں سے ہوا۔

عابد علی عابد صاحب نے کلیات قاری (مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور) کا دیباچہ بہت زوردار لکھا ہے اس میں بھی ذال قاری پر تھوڑی سی بحث ہے۔

یہ سب چیزیں اور قدرت صاحب کا مضمون آپ ملاحظہ فرمائیں تو بات بنے گی۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ایسا سرگز لاہر مضمون تو سو سال میں لکھائی نہیں گیا اور غالب پر صد سالہ جشن کے سلسلے میں جتنے رسائل نے نمبر چھاپے ہیں وہ سب مضامین ایک طرف اور قدرت صاحب کا مضمون ایک طرف۔ مگر پڑا قدرت صاحب ہی کا ہماری ہے۔ اسے درود بخود کہہ کر نہیں جالا جاسکتا۔ پریشانی یہ ہے کہ میں نہ تو مضمون نگار ہوں نہ محقق میں تو صرف طالب علم ہوں۔ اگر تحقیق میرا میدان ہوتا تو میں کوشش کرتا لیکن اب تو آپ جیسے حضرات ہی کو سنبھالنا پڑے گا۔

قدرت صاحب مولانا مہر عرشی صاحب اور مالک رام صاحب کے لیے کیا رائے رکھتے ہیں یہ بات متان کا ہر وہ شخص جانتا ہے جسے ادب سے ذرا بھی لگاؤ ہے۔ میں ان کے الفاظ تو ذرا نہیں سکتا۔ معلوم یہ ہے کہ غالب کو جس طرح قدرت صاحب نے سمجھا آج تک کسی اور نے نہیں سمجھا رہے مہر عرشی اور رام تو یہ ابھی طفل کعب ہیں انہیں کیا معلوم کہ غالب کیا کہتا ہے۔ قدرت صاحب کے بقول غالب کو سمجھنے کے لیے دو باتیں شرط اول ہیں کہ چڑھنے والا شیعہ ہو اور قدرت صاحب کا سا ذہن رکھتا ہو۔ ممکن ہے وہ شرط اول کی قید بھی بنادیں مگر ذہن بالکل قدرت صاحب کا ہو تو غالب سمجھ میں آ سکتا ہے۔^(۱)

آپ کی یہ بات درست ہے کہ قیاس پر اور اس عہد کے اور لوگوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر وہی بات کہ مشقت کون کرے۔ آپ نے یہ خوب لکھا: ”نیا عنوان کوئی سوچتا ہی نہیں سید قدرت نقوی نے غالب کے مستقل انگریزی الفاظ چھانٹ کر بھی دروازے بند کر دیے“ مگر یہ امر شاید آپ کے لیے باعث دلچسپی ہو کہ قدرت صاحب جن کا پورا نام سید شہامت علی عرف قدرت نقوی میرٹھی فہم مکتانی صرف فنی فاضل پاس ہیں۔ انہیں انگریزی سے کیا واسطہ۔ خیر۔

آپ نے تو عنوان و محوطہ ہی نکالا اور عنوان بھی وہ جو کوئی اور شخص لکھتے ہوئے دیتا۔ مثلاً مہر صاحب آپ سے بلاوجہ تو خفا نہ ہوئے ہوں گے۔ وہ عمر کے اس حصے میں جہاں انسان اللہ اللہ زیادہ کرتا ہے۔ آپ نے کمال کیا کہ تمام ”گالیوں“ اور اسی قبیل کے الفاظ کو جمع کر دیا اور یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ غالب انسان تھا۔ یہ جو بار لوگ اقبال کو علیہ الرحمۃ بنائے پھرتے ہیں اور فرشتہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ اقبال کے دوست نہیں دشمن ہیں۔ غالب اگر گالی بکتا تھا تو اس لیے کہ انسان ہی یہ کام کر سکتا ہے من جملہ اور

گزشتہ سے جڑ سے مٹا دیے

ذات کو بھی رقیب جان لیا تھا۔ جب ہی تو انہوں نے اپنے آپ کو بھی نہیں بچھا۔ سب سے پہلے تو یہ کہ آپ نے عنوان کا ہر انتخاب کیا ہے وہ معنویت کے لحاظ سے منفرد ہے، مضمون کے شروع میں بعض حصوں سے مجھے اختلاف ہے۔ مثلاً میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ غالب جیسا وسیع القلب انسان جو کسی کو بھوکا نہ دیکھ سکتا تھا محض مطلب برآری کے لیے شمس الدین خاں کی بھٹی کھانا معاملہ جانبدار کا تھا لوگوں نے انگریز کے قتل کے بعد افسانے گزے لیے۔ فرشتوں کے لکھے یہ غالب کو الزام دیا جاتا ہے کوئی ثبوت تحریری نہیں ہے۔ انگریزوں کی بھٹی غالب کیا کرتا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جب قتل کے شاگرد قادی نہیں جانتے تو تاہر انگریز قادی کیا جانے گا۔ مقصد تو صرف یہ تھا کہ وہ ہار میں جگہ لے کیونکہ اس زمانے میں وہ ہار میں جگہ ملنا ہی باعث عزت تھا۔

باتوں کے۔ مجھے ایک قصہ یاد آیا۔ ایک صاحب طویل مدت تک لندن میں رہے۔ ان کا رنگ انگریزوں کا سا تھا۔ لباس وضع قطع انگریزوں کی سی۔ زبان بھی وہی لہجہ بھی وہی۔ مگر ایک اصل انگریز کو ہمیشہ شہرہ کہ یہ انگریز نہیں ہے۔ ایک روز وہ صاحب چارہے تھے۔ انگریز نے ٹگڈی مادی یہ دھڑام سے کر پڑے اور گرتے ہی ایک ڈھائی من کی گالی مادی زبان میں دے ڈالی۔ انگریز بولا: ”ویل ٹم ہندوستانی ہے“۔ تو صاحب بات یہ ہے کہ غالب ”خالص“ ہندوستانی نہ کسی پھر بھی ہندوستانی تھا۔ گالیاں کیوں نہ بکتا۔ مجلیل صاحب قدوائی کا یہ خیال غلط ہے کہ مکاتیب غالب نے بعد از نظر ثانی اشاعت کے لیے دیئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج آپ کا مضمون وہ نہ ہوتا جودہ ہے۔ گالی انسان شعوری طور پر نہیں بکتا وہ تو بے ساختہ نکل جاتی ہے اگر خطوط کو نظر ثانی کے بعد اشاعت کے لیے دیا جاتا تو یقین کیجئے یہ بے ساختگی ہرگز نہ ہوتی جو غالب کے خطوط کی جان ہے۔

اردو خطوط کی اگر تاریخ مرتب کی جائے تو آپ دیکھیں گے کہ عام طور پر لوگوں نے تصنیع برتا ہے۔ مثلاً اقبال ایک Conscious Artist تھا۔ اسے اپنی عظمت کا احساس تھا۔ چنانچہ ہر نقطہ تراش تراش کر لکھتا۔ غالب کو بھی اپنی عظمت کا احساس تھا مگر اقبال اور غالب کے احساس میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ غالب کو ڈومنی سے عشق تھا تو چھپا ہوا نہیں اقبال اگر علیہ کو چاہے تھے تو چھپاتے تھے شعلی کا بھی یہی حال تھا۔ غالب جیسے جو کچھ کہنا چاہتا کہ گزرتا لکھ ڈالتا مگر یہ بات کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی۔

میں تو ایمان داری سے کہوں گا کہ آپ غالب کے پڑھنے والوں پر احسان کیا جو یہ مضمون لکھا اس لیے کہ غالب کو انسان دہتا چاہیے میں نہیں چاہتا کہ لوگ اسے فرشتہ کہیں۔ اعظم آج تک نہیں پہنچا۔ میں نے آپ کے مضمون کے سلسلے میں دینی دو ایک دوستوں کو لکھا اور وعدہ کر لیا کہ اعظم سمجھوں گا۔ آپ نے لکھا ہو گا مگر اعظم کے لوگ اسے ستم ظریف ہیں کہ ایک جانب تو یہ بدنام دیتے ہیں کہ صاحب ہمیں پرچہ مفت ہاڈنا پڑتا ہے کوئی

جیسے نہیں دیتا۔ دھرم بے وقوف ہیں کہ دی ٹی مٹکواتے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے۔ ان سے کہئے کہ روٹ سکی ایک ہی بھج دیں۔

نارائن کا غالب خبر بھی نہیں ملا۔

اعظم کے آخر میں بہت سے فیروں کا اشتہار ہے اور بیشتر رسائل اسی ملک کے ہیں مگر انہیں حاصل کرنا مشکل جوئے شیر لانا آسان۔ اس میں لطف یہ ہے کہ میں قیمت ادا کرنا چاہتا ہوں اور پرے نہیں ملتے۔ کیا کراچی میں کوئی صاحب ایسے نہیں ہیں جو آپ کے حکم کی تعمیل کریں اور میری مدد۔ یہی کہ غالب پر جو کچھ چھاپا ہے خرید کر دی ٹی کر دیں۔

حیرت شلوی اور مولوی مہدالحق صاحب پر کتنا کام ہو چکا ہے۔

خط طویل ہو گیا۔ اب اسے ختم کرتا ہوں میں مختصر ہوں گا کہ آپ نے ذال مجہ پر لکھا۔ انگریز شوکت ہزاری صاحب کی کتاب غالب، نگروں میں بھی ایک باب موجود ہے اسے بھی دیکھ لیجئے گا۔ ۱۹۶۹/۸/۵ء

آپ کو محض مل گیا یہ بہت اچھا ہوا۔ قدرت صاحب کا مضمون پڑھ کر آپ گھبرا کیوں گئے؟ ملتان میں جواہر ملی حلقہ ہے ان حضرات کے دل سے پوچھئے کہ انہیں زبردستی ایسے ایسے نہ جانے کتنے طویل اور بے معنی مضامین دہناتے ہیں اور لوگ سن کر زندہ بھی رہتے ہیں۔

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ اس موضوع پر دوسرے مضامین مطالعہ فرمائیں گے تو پھر بحث آپ کے بس کا روگ کیوں نہیں؟ آپ جب موضوع کو سمجھنے کی قوت رکھتے ہیں تو اس پر لکھنا اور بھی آسان ہے۔ یہ کام تو نہایت آسان سے کرتا ہی پڑے گا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کی مضمون نگاری کا مرکزی خیال ان کا نہیں بلکہ قاضی مہدالود صاحب کا ہے۔ اور یہی بات ثابت کرنی ہے۔

مبارک ہو اب تو سنا ہے ترقی اردو بورڈ انہیں جج صاحب کی جگہ لے رہا ہے۔

وہاں دونوں یہاں شراکتِ ملازمت طے کرے آئے ہوئے ہیں۔^(۱)

دو کام بہت مشکل ہیں۔ پڑھ کر کچھ لینا (پڑھ تو ہر شخص سکتا ہے) دوسرے کچھ کرانے کا اظہار کرنا میں ان دونوں چیزوں کا اہل نہیں۔ اور آپ کو آساں مجھے مشکل بہت۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر شئی فاضل ضروری نہیں کہ پڑھا لکھا بھی ہو۔ اور یہ بھی کلیہ نہیں ہے کہ ایم۔ اے۔ ہو کر لکھنا بھی جانتا ہو۔ یہ تو صرف اللہ کی دین ہے جو کسی کو نصیب ہے کسی کو نہیں؟ مجھے آپ "کمرہست" مانع ہونے کی تلقین فرماتے ہیں لیکن یقین کیجئے میں اس اہل نہیں ہوں۔ مضمون نگاری بڑا مشکل فن ہے۔ اس کے لیے جو پتہ ماننا پڑتا ہے وہ میرے بس کا نہیں ہے۔

غالب نے چٹلی کھائی تھی یا نہیں۔ اگر آپ آزادائی رائے کے حق میں ہیں تو مجھے

۱۔ مولوی عبدالقادر صاحب نے اردو سے متعلق میرے ایک مضمون کو مرحوم نیاز فتح پوری نے اچھا بلکہ "بہت خوب" قرار دیا میں چھاپنے سے انکار کر دیا میں نے جل کر جو کچھ ان کے نام لکھا ہے انہوں نے انکار میں جگہ دی اور جواب دیا۔ میری وہ تحریر جو لطیف اثر میں خاں کو بے حد بھائی۔ اب اسرار یہ کہ انہی تیرہوں میں قدرت نقوی کے جواب میں بھی لکھو مگر وہ مجھ سے لکھا نہیں کیا اور ان کو کڑھایا اب کاروری کی تحریک پر "الاعظم" کے غالب نمبر کے لئے میں نے غالب کی دشنام طرازیوں کو "کتنے شیریں ہیں تیرے لب" کے عنوان سے کچھ کر دیا تھا جیسے کچھ لوگوں نے پسند بھی کیا۔ باقی وہی غالب کی چٹلی خوریوں کی بات تو بھائی غالب بن سید نادر بھی تو تھے شاعری ذمہ "نزدت نہ کھا پیٹ کے معاملات بھی تھے۔ ایک حق قیہ کے مخالف ہر آنے والے مکران کا نام ڈال کر آگے بڑھانے والا اصول کرسی و ذر کے لئے لکائی بھائی کیوں نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بہادر کی خوشنودی حراف سے زیادہ اپنے بے ہوشی کے پھولے بھی تو چھوڑا تھے۔ اور وہ خطوں کے خاکے بھی اپنے شاگردوں اور اصحاب سے غالب بے طرح کرتے رہے۔ کبھی چند سے سرجب کرنے والوں کے جنس غالب کے نام بھیجنے کی تلقین کی گئی۔ پھر اسود دہائی مگر ان میں قریب دے کر شاعر کا کتب کے حوالے کیا گیا۔ غالب بہت متعلی تھے۔ ست ہندوؤں کو چست کئے بلخیر ان سے کیوں رہا جاتا۔ انیس ۱۲/ مئی ۱۹۹۰ء اور

یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ غالب جیسا انسان۔ انسان جس کے لیے لٹک برسوں پھرتا ہے
 ہرگز ایسی سو قیاد حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں تھوڑی دیر کے لیے یہ رائے تسلیم کر لوں تو
 میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر غالب کو انگریز کے ہاتھوں اس کا مسلہ کیوں نہیں ملا۔ آج بھی
 جب کہ انگریز یہاں سے چلا گیا ہے اور اپنی روایات و حکومت چھوڑ گیا ہے۔ کیا یہ روزمرہ کا
 تجربہ نہیں کہ جو لوگ چٹلی کھاتے، بھری کرتے اور رسائی حاصل کرنے کے لیے ہر فیئر
 شرطانہ فعل کر گزرتے ہیں۔ اگر ان کا سننے والا چلا بھی جائے تو آنے والا انہیں انہیں
 ”خوبیوں“ کی بناء پر نوازتا ہے۔ پھر اگر غالب کا وہ دوست جس سے غالب نے چٹلی کھائی
 اور مر گیا تو آنے والوں نے غالب کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا۔ کیا وہ کسی سے پوشیدہ ہے۔
 نواب خٹم الدین کو مانتے سے ہٹانے سے غالب کو کیا مل جاتا؟

”انگریز کی بھٹی“ _____ نہیں صاحب وہ تو صرف دربار میں کرسی کا مسئلہ تھا
 ورنہ غالب کو اپنی فارسی دانائی ہی پر نہیں فاری گوئی پر بھی باز تھا۔ اور جب وہ ہندوستان کے
 فاری گوشعراء کو خاطر میں نہیں لاتا تھا تو انگریز بے چارہ کس شمار قطار میں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ
 ایک ہی قصیدہ ذرا سی تبدیلی کے بعد دوسرے کو بھیج دیا جاتا تھا۔

قبیل ہی پر کیا منحصر ہے۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ اس عہد کی سماجی تاریخ
 لکھی جائے۔ اور ان تمام شعراء پر کام کیا جائے جن سے غالب متاثر ہوا تھا۔ یہ درست ہے
 کہ یہ کام ہندوستان ہی میں ہو سکتا ہے مگر صاحب اب وہاں پر چہ جاسکتا ہے نہ ادنیٰ
 کتاب۔ آخر ہمارا تہذیبی رشتہ وہاں سے کیا رہا جو ہم غالب کے بارے میں سوچیں۔

قدرت صاحب نے واقعی انگریز کی الفاظ جمع کر دیے ہوں گے۔ لیکن وہ تو یہ بھی
 کر سکتے ہیں کہ میرے کالج کے ایک اردو کے طالب علم کو اس پر آمادہ کر لیا کہ ایم اے کے
 امتحان کے ایک پرستے میں جو تیس لکھا جاتا ہے وہ قدرت پر لکھے۔ وہ خود لکھانے پر تیار
 تھے۔ وہ (تو) پنجاب یونیورسٹی نے مانا نہیں دینا آپ دیکھتے کہ یہ کام بھی ہو جاتا قدرت

صاحب بڑے ہی دور کی کوڑی لانے والے انسان ہیں۔

آپ نے یہ جملہ ”آپ نے خفیہ کا غالب کو شراب چیل میں پہنچانے پر غور نہیں کیا“ کسی سوال کے حوالے سے لکھا ہے صراحت فرمائیے مجھے یاد نہیں آرہا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک آدمہ خط ایسا ہو جس میں غالب نے تصحیح کر دی ہو مگر یہ تو کسی طرح نہیں حلیم کیا جاسکتا کہ ہر خط کو مطبع میں جانے سے قبل غالب نے درست کیا ہو گا۔ مجھے آپ کی اس رائے سے قطعی اتفاق نہیں ہے کہ غالب نے محض اپنی آزادہ روی کی وجہ سے گالیوں کو نظر انداز نہ کیا ہو گا۔ برادر م۔ آزادہ روی کے یہ معنی کب ہیں کہ ایک انسان کا گالیاں بکتا بھی آزادہ روی میں شامل سمجھے۔ اس زمانے کا تو ذکر ہی کیا یہ تو آج بھی۔ آج جب کہ ادیب بڑی مہذب اور شعلیق گالیاں تحریر و تقریر میں استعمال کرتے ہیں تو کیا وہ آزادہ روی ہے؟ میرے خیال میں اس کا جواب نفی میں ہے۔ غالب نے اگر خطوط کو طباعت سے قبل درست کیا ہوتا تو یقین کیجئے ان کو وہ زیادہ بہتر طریقے سے لکھتا۔ اور کسی قیمت پر گالیاں اس میں نہ رہنے دیتا۔ لوگوں کے پاس اب بھی اصل رقعے موجود ہیں۔ ذرا دیکھ کر بتلائیے کتنے خط ایسے ہیں جن میں درستی کی گئی۔ آفاق حسین آفاق صاحب نے نوادرات کے نام سے خطوط کا مجموعہ شائع کیا ہے وہ سارے خطوط محفوظ ہیں ان سے پوچھئے کہ کتنے خطوط ہیں جن میں درستی کی گئی ہے۔^(۱)

۱۔ میں نے لکھا تھا ایسا میری میں غالب پتے پلانے سے قریب نوے سہ ہے۔ یہ مشکل ظاہر ہے تو اب مصطفیٰ خاں شیفتہ دھرتی علی نے آسان کی ہوگی؟ اس سے پہلے کسی نے اس پہلو پر نہیں لکھا تھا۔ سے نوشی اگر ترک کی گئی تو وہ بڑی چال لیوا ۱۲۱۱ ہوتی ہے۔ ایک آدمہ خط کی گج کے اقرار کیا تو خان صاحب بھی آئیں خطوں کو ایک مسلسل سوارے کی شکل دی گئی ہوگی۔ ایک ایک خط تو ادا کر کا جب کے حوالے نہ کیا گیا ہوگا جیسے کہ اب میں لطیف انراں خاں صاحب کے خطوں کو صاف نقل کر کے اشاعت کے لئے بھجوانے کی فکر میں ہوں۔ مکاتیب کا پھر تو کاتب کے حوالے نہیں کر دیا۔ آفاق حسین کے مرثیہ کردہ مجموعے کا نام ”نوادرات“ ہے مکتوب کہتے ہیں وہ سب جعلی ہیں۔ انہیں ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو مرزا آباد۔

میں جس مکان میں ان دنوں ٹھہرا ہوا ہوں اس کے سامنے ایک پورڈ لگا ہوا ہے
 ”سید الطاف علی بریلوی“ ایک دن ملازم نے بتلایا کہ ”یہی صاحب بریلوی ہیں“ میں نے
 سلام عرض کیا اور آپ کے توسط سے اپنا تعارف کرایا۔ اعظم کا سالانہ خریدار بننے کی خواہش
 کی۔ فرمایا کہ دفتر آئیے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں چلا آیا۔ کچھ زیادہ وقفہ نہ گزارا تھا کہ ان کی
 اہلیہ تعریف لے آئیں۔ گھر پر کوئی نہ تھا۔ ملازم سے چائے بنوائی اسی سے خاطر کی۔ ایک
 صاحب میرے ساتھ ملتان سے آئے ہیں وہ افسانے پر مضامین لکھتے ہیں۔ سید صاحب کو
 بھی میں نے بلالیا۔ بالکل پشنگی سی ادبی نشست ہو گئی۔ بے حد مصروف ہوں۔ وقت مل گیا تو
 جاؤں گا۔

آپ کی رائے سے مجھے پھر اختلاف ہے میں نے آپ کے مضمون کی صرف
 تعریف نہیں کی جہاں مجھے اختلاف معلوم ہوا اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ آج کل ادیبوں میں
 گروہ بندی عام ہے اور ستائش باہمی کے کاروبار نے گٹھ جوڑ کر دوسری ادبی انجمنوں کو
 بھی۔ ادب کے معاملے میں یاری دہنی کو رد اور کھٹا میرے نزدیک ادبی بددیانتی ہے۔ میں
 نے تو وہی لکھا جو میرا حق چاہا۔ اب اگر کوئی صاحب اس کی تائید کریں گے تو آپ میری
 رائے کو صحیح تسلیم کریں گے یہ زیادتی ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ایک شخص رائے ظاہر کرے
 اور ہم نواؤں کو تلاش کرتا پھرے۔ نا صاحب ایسا نہیں ہے۔ [۱۷ اگست ۱۹۶۹ء]

میں یونین دہشتی اور پورڈ کے کاموں میں اس قدر الجھا ہوں کہ نہ تو کہیں کسی سے
 ملنے جا سکا ہوں۔ حد تو یہ ہے کہ تسلسل کے ساتھ اس خط کو بھی مکمل نہیں کر سکا۔ آپ نے تو یہ
 تحریر فرمایا تھا کہ ماہر القادری صاحب ”ملائے“ ہرگز نہیں۔ ماہر صاحب کو میں اس وقت
 سے جانتا ہوں جب وہ ”مست قلندر“ لاہور میں محبت پھرے خطوط لکھا کرتے تھے۔ انہوں
 نے وہی حرکت کی جو ایک ملا ٹکا کر سکتا ہے۔ قارآن کا دی پی ملتان سے یہاں پہنچا۔
 میں نے ساڑھے آٹھ روپے ادا کیے تو دو پرچے ملے ایک جھلائی کا دوسرا اگست کا۔ میر

اضیال یہ ہے کہ انہوں نے یہ پرچے مجھے سالانہ خریدار بنا کر بھیجے ہیں۔ میں آپ کو کچھ چکا ہوں کہ میں سالانہ خریدار نہیں بننا چاہتا مجھے تو صرف وہ پرچے درکار ہیں جن میں غالب پر کوئی مضمون شائع ہوا ہو۔ ماہر صاحب صورت آشنا بھی ہیں مگر میری طبیعت نہیں چاہتی کہ ان سے جا کر طوں اور وہ بھی اتنے سے کام کے لیے۔ آپ انہیں لکھتے ہیں پرچے انہیں واپس کر رہا ہوں۔ [۱۹۶۹/۸/۱۳]

نیاز صاحب پر آپ کا کتا بچل گیا۔ آپ نے میری رائے طلب کی ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ اردو ادب سے جو لگاؤ مجھے پیدا ہوا اس کے ذمہ دار تین حضرات ہیں۔ نیاز صاحب، بھٹوں گوہر کپوری اور جوش 'شاعری کو پڑھنا اور لطف اندوز ہونا جوش کی شاعری کا عطا کردہ تحفہ ہے۔ نیاز صاحب کی تحریروں سے شعر کے حسن و قبح پر نظر ڈالنا آیا اور بھٹوں کی تحریروں سے میں نے افسانوی ادب کا مطالعہ کیا۔ ان تینوں بزرگوں کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ جوش صاحب اور بھٹوں سے نیاز حاصل کر رہا ہوں۔ نیاز صاحب کے سامنے جانے کی کمی ہمت نہ ہوئی۔ مگر ان تینوں کی جانب سے دل میں ایک کنگ بھی ہے ان تینوں حضرات نے ہجرت کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو دکھ پہنچایا۔ تینوں نے اپنی تحریروں سے پاکستان کی مخالفت کی اور پھر یہیں آئے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر پھر کبھی لکھوں گا۔ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ نیاز صاحب کے ہندوستان سے آنے کے کیا محرکات تھے اس کی تحقیق ضرور کیجئے۔ میں قبیلہ والد صاحب کے انتقال کے بعد علی گڑھ گیا تھا وہاں جو کچھ میں نے سنا اسے لکھنے سے اس لئے گریز کرتا ہوں کہ وہ بات حقیق شدہ نہیں ہے۔

میں کاظمی احسان احمد صاحب سے قطعی ناواقف ہوں۔ میری نظر سے ان کی کوئی تحریر نہیں گزری۔

قدرت صاحب کا تقرر بورڈ میں ہو گیا۔ یہاں سوا سو پاتے تھے وہاں چھ سو

بیٹا لیس پاتے ہیں اور پھر کام کچھ نہیں بارہ الفاظ روزانہ کی تشریح۔ ایک بچے دفتر بند ہو جاتا ہے۔ آپ کو تو خود ہی معلوم ہے کہ وہاں لوگ محظوظ پاتے ہیں۔ وہاں کام کرنے والوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۹۶۹/۹/۱۹ء

رشید احمد صاحب صدیقی ان جیسا نثر لکھنے والا دور جدید میں پیدا ہی نہیں ہوا آپ نہیں برسوں سے بچھ گئے ہیں ان سے ملا ہوں اور آج تک ان کے چہرے کے کرب کو نہیں بھول سکا ہوں۔ ان کی صاحبزادی سلطی کی شادی دہلی میں ہوئی۔ تمیں بچوں کی ماں۔ اور ظہور کھائی۔ شوہر نے منع کیا اور سمجھایا مگر وہ کبھی کبھی رہیں کسا داب اور ادب کے رشتے سے وہ کرشن چندر (اردو کے مشہور افسانہ نگار) سے ملتی ہیں۔ ہالا خرشوہر سے علیحدگی ہوئی اور کرشن چندر اور سلطی نے شادی کر لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بس کچھ ایسا ہی واقعہ نیاز صاحب کے ساتھ پیش آیا۔ کبھی میں نے سنا تھا اور کہنے والے صاحب پہلے صرف ڈاکٹر تھے اب حاجی بھی ہیں۔ تقویت اس خیال کو یوں ملتی ہے کہ نیاز صاحب کو وہاں مالی پریشانی نہ تھی۔ حکومت نے سب سے بڑا اعزاز بھی دیا اور پھر وہ یہاں آ کر کیا جتن کھتے دن جتن؟ وہاں وہ صرف نگار پر زندہ تھے۔ یہاں آ کر اور کام بھی کرنا پڑا۔

دلی کے کمر میں شیطان ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے۔ رشید احمد صاحب جنہوں نے اردو نثر کو ایک نیا اسلوب دیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین^(۱) خاں صاحب جن کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ شورش کاشمیری جیسا انسان اپنی کتاب ان کے نام معنون کر کے فخر محسوس کرے وہی رشید صاحب بیٹی کی نامستقل حرکت سے بالکل بچھ گئے۔ مگر چہ کہ ان کی عظمت میں کیا فرق آیا مگر پھر بھی خون دھوکہ دے گیا۔

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کھلے بندوں ہندو مسلم ملاپ کے حامی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی نواسوں کو جو جراتوں سے زیادہ کر "سیکولر" ہونے کا ثبوت ہم پہنچایا۔ [انٹرس ۱۴ مئی ۱۹۹۰ء محمد آباد]

نیا صاحب نے مردانگی اگر کی تو صرف یہی کہ الجھ نہیں گئے بلکہ مصروف رہ کر اُس غم کو بھلاتے رہے۔ ورنہ اگر نیا صاحب کو آنا ہوتا تو اس وقت آتے جب پاکستان کے گورنر جنرل جناب غلام محمد صاحب مرحوم تھے۔ اُس زمانے میں کراچی کے ادبی حلقوں میں انوار گرم تھی کہ غلام محمد صاحب نے بڑی رقوم پیش کیں کہ نیا صاحب آئیں اور سو روپی صاحب کا جواب ہوں۔ مگر نیا صاحب نے قبول نہیں کیا تھا۔ کچھ اس لئے نہیں کہ وہ سو روپی صاحب کی بات کا جواب نہیں دے سکتے تھے بلکہ اس لئے کہ ٹکسٹو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن؟

ہاں صاحب خدا کی شان کہ شوکت بنزداری صاحب جیسا عالم ماہر لسانیات اور جوش جیسا الفاظ کا جادوگر تو الگ کر دیا جائے اور قدرت صاحب اُن کی جگہ لئے جائیں۔ اب وہاں نسیم امروہوی صاحب اور میں باقی اللہ کا نام۔ الفت تو اب قدرت صاحب ہی لکھیں گے۔ حقی صاحب کو اللہ خوش رکھے۔ کچھ لوگ آخر یوں بھی تو نام پیدا کرتے ہیں۔ کسی نے غلط تو نہیں کہا کہ ”بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔“ ۱۹۶۹/۹/۲۵

اس میں تو شک نہیں کہ آج جن لوگوں کو ہم ماہرین غالب کہتے اور سمجھتے ہیں وہ کل ہم میں نہ ہوں گے لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ کل نفس ذائقہ الموت۔ ہر شخص کو اپنی بساط بھر کام کرتے رہنا چاہئے۔ میں نے بھی ایک کام نگار کھا ہے۔ یعنی غالب پر مطبوعہ کتب و رسائل و مضامین جمع کرنا رہتا ہوں اور یہ کام بھی مکمل نہیں ہو پاتا اور جب ایک کام پورا نہ ہو سکے تو دوسرے میں پاؤں پھنسانا کیا عمل مندی ہوگی؟ مجھے اپنے احباب کے جذبات کا واقعی احترام ہے لیکن میں اپنے علم سے بھی واقف ہوں۔ اللہ کے کتنے ہی بندے ہیں جو غالب پر کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اچھا آپ وعدہ فرمائیں کہ کسی سے ذکر نہ کریں گے تو آئندہ خط میں آپ کو لکھوں گا کہ کم از کم ایک کام ایسا کیا ہے جو اس وقت تک پاکستان میں کوئی نہیں کر سکا۔ اور یہ کام غالب سے متعلق ہے۔ لکھوں گا جب کہ آپ

حقی وعدہ کر لیں گے کہ کہیں ذکر نہ آئے گا۔

رشید احمد صاحب کی بیٹی نے جو کچھ کیا ہے اسے یہ کہہ کر نہیں بلایا جاسکتا کہ صرف ”کرشن چندر کی کیپنگل تھی“ اس کے اثرات کیا ہونے اور کہاں کہاں چوٹ لگی اس کا تعلق احساس سے ہے۔ خیر چھوڑیے اس قصے کو۔

دہلی یونیورسٹی میں میرے ایک عزیز دوست ڈاکٹر ظہیر ہیں۔ میں اور ڈاکٹر ظہیر صاحب رشید احمد صاحب سے ملنے جا رہے تھے۔ رشید صاحب کا مکان مسلم یونیورسٹی ملی گزہ کے احاطے میں ہی ہے۔ راستے میں ظہیر صاحب نے سلتی کا حال پتلا پایا اور پھر انہی نے یہ کہا تھا۔ ”نیاز صاحب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ وہ پاکستان چلے گئے درندہ لکھنؤ نہ چھوڑتے“ میں نے تفصیل نہ پوچھی رشید صاحب کا حال معلوم ہو کر ہی میرا دل لرز اٹھا تھا۔ نیاز صاحب کے بارے میں ایسی تفصیل معلوم کرنا مجھے کچھ اچھا نہ لگا۔ واقعات کچھ ہوں نیاز صاحب کو یہاں ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ کئی بات میں جوش صاحب اور مجھوں صاحب کو دیکھو دی کے لئے کہتا ہوں۔ یہ بیٹوں اپنے وقت کے امام قلم کے معنی مگر۔ خیر بتائیے اس قصے کو۔

[ایسے معاشرے میں جہاں مرد و زن کے میل جول کا چلن عام ہو وہاں دل کے لرز جانے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ سینکڑوں گنگا جمنی تہذیب کے ظہور اور اس کے فروغ میں کوشاں یہاں وہاں سرگرم عمل ہیں۔ قائد اعظم نے بھی کوئی سنا ہے جیسے جی منہ نہیں لگا پاتا“ رشید احمد صدیقی دہلی سے سن گئے تھے۔ سلتی جب کراچی آئی ہیں تو یہاں بھی ہندو ری نہیں ہوئی ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔ وعدہ مسلم شاہی ہندوستانی تھوڑا اور نیکیوڑ معاشرے میں کہنا چاہئے عام ہے یا ہو چلی ہے۔ انیس ۱۵ مئی ۱۹۹۰ء محمد آباد]

آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ ہندوستان میں غالب کے قلم کا لکھا ہوا دواجن اور یافت ہوا ہے۔ میں نے اس مخلوطے کے عمل عکس حاصل کر لئے ہیں۔ نقوش کا

غالب نمبر دوم شائع ہو رہا ہے یہ ٹکس اس میں شائع ہوں گے اس طرح کہ ایک جانب ٹکس اور دوسری جانب کتابت شدہ غزل۔ اس کو راز رکھنا یوں ضروری ہے کہ ہندوستان سے جن صاحب نے بیکال مہربانی یہ ٹکس فراہم کر دیے ہیں ان سے یہ وعدہ ہے کہ یہ بات راز رہے گی۔ مطلب یہ کہ جب تک مالک مخطوط کا مخطوط فروخت نہیں ہو جاتا۔ یوں بھی میں نام و نمود نہیں چاہتا۔ طفیل صاحب میرے دوست ہیں اور اس نمبر پر انہوں نے بساط سے بڑھ کر پیسہ خرچ کیا ہے۔ میں نے بھی یہ پھولی سی خدمت انجام دے دی ہے۔ متوقع ہوں کہ آپ حسب وعدہ اس کا ذکر کریں اور کسی سے نہ کریں گے۔ فوٹو گراف میری ملکیت ہیں آپ چاہیں گے تو آپ کو دکلاؤں گا۔

دسمبر میں انشاء اللہ ضرور آؤں گا۔ پرسوں تو لاہور چارہا ہوں۔ طفیل صاحب نے آج ٹیلی فون پر یاد کیا جانے کا سبب یہ ہے کہ میرے ایک نادیہ دوست شاد احمد فاروقی جو دہلی کالج میں استاد ہیں ان کی ایک کتاب ”علاش غالب“ لاہور میں شائع ہو رہی ہے اس نئے مخطوط سے متعلق ایک نہایت اہم مضمون اس کتاب میں شامل ہے۔ طفیل صاحب مخطوط کے ٹکس کے ساتھ فاروقی صاحب کا مضمون شائع کرنا چاہتے ہیں جو شرفاروقی صاحب کی کتاب شائع کر رہا ہے وہ طفیل صاحب کو مضمون کیوں دینے لگا۔ چنانچہ میں وہ مضمون حاصل کر کے انہیں دے کر اتوار کی شام کو واپس آ جاؤں گا۔

رشید احمد صاحب صدیقی ولی منت انسان ہیں ان کے گھر میں اگر شیطان پیدا ہو جائے تو حیران ہونے کی بات نہیں۔ ایسی صد ہائیں لاکھوں بلکہ ان گنت مثالیں ملتی ہیں کہ والدین انتہائی شریف عظیم اولاد نے ایسے گل کھلائے کہ بیان سے باہر ہے۔ تربیت تو اس کی بری نہ تھی دوسری بات البتہ صحیح ہے کہ تقصیر بعض ہے۔ کرشن چندر کو کیا کہا جائے۔ جسے تو اپنا ہی گھونہ تھا۔ کرشن تو بڑے افسانہ نگار ہیں اور اکثر بڑے شاعر اور افسانہ نگار اور ناول نگاروں کا کردار صورت کے معاملے میں کچھ ایسا ہی رہا ہے۔ بالکل اور انسانی کتنے عظیم

السانہ نگار گزرے ہیں مگر عورت عورت تو ہر مرد کی کمزوری ہے۔

بھائی میرے۔ میں بہت اخبار یا رسائل پڑھتا ہوں۔ اخبار پڑھنا میں نے اس وقت چھوڑ دیا تھا جب مرحوم غلام محمد نے ملک کی اسمبلی کو توڑ دیا تھا۔ ۱۹۶۹/۱۱/۱۳

میں تو صرف ادب کا طالب علم ہوں اور غالب کا پرستار اور کچھ نہیں آپ نے دریافت کیا ہے کہ نقول یہاں پہنچیں کیونکہ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ایک صاحب اُن جانے میں لے آئے ہیں۔ لانے والے صاحب کو خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا لائے ہیں۔ یہ کہانی بہت دلچسپ ہے۔ ابھی نہیں کبھی فرصت ملی تو سناؤں گا۔ عرشی صاحب تو بڑے محقق ہیں۔ سب سے زیادہ غالب کے پُر ذہ انہی نے اڑائے ہیں۔ ان کے پاس وسائل ہیں۔ پھر یہ کہ ہر قسم کی تحریر ان کے دسترس میں ہے۔ تقسیم ملک کے بعد ہی اولیٰ دستاویزات تک رسائی ہم لوگوں کی ممکن نہیں تھی اور اب تو جو لکھ گزرتا ہے یہ دوری اور قاصلہ بڑھتا جاتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ غالب ہی پر کیا اردو کے ہر شاعر وادیب پر جو کچھ ہاتھ آجائے اسے یہاں محفوظ کرنے کی کوشش کرنا ہم سب پر فرض ہے۔ آپ نے جو مضمون نقوش کے ایڈیٹر صاحب کو بھیجا تھا اس کے بارے میں ایڈیٹر صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اسے کیوں شائع نہیں کیا اور پھر یہ کہ اگر وہ شائع نہ کرنا چاہیں تو واپس کیوں نہیں کیا۔ میں کسی ملاقات میں ان سے یہ عرض کر دوں گا کہ طاہر صلاح الدین کی غزلیات اور آپ کا مضمون واپس کر دیں۔ مگر ہاں یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ کسی مناسب وقت کے منتظر ہوں اور شائع کریں۔ فردری اور مارچ ۷۰ء تک تو غالب ہی سے انہیں فرصت نہیں ملے گی۔ [۱۹۶۹/۱۱/۱۳]

[خلیل صاحب کتابت سے ادیب اور مدبر بن سکتے ہیں تو ہم کیوں پیچھے

رہے۔ ذریعہ اسٹیل خان کے شاعر خوش نوا وانا طاہر صلاح الدین کا شعر، دور

مقروض چلا آتا ہوں۔ میں نے نقوش میں چھپنے کی ایک کوشش اور بھی کی لی مگر

جب میں نے طفیل صاحب کی زبانی یہ سنا کہ نقوش میں تو رکش احمد جعفری کو بھی نہیں ہم نے چھاپا۔ جب میرے کان ہوئے حضرت کہاں سے بول رہے ہیں۔

انہیں ۱۶ مئی ۱۹۹۰ء

آپ سے میں نے صرف ایک خط واپس مانگا تھا اور اس کا بھی ایک خاص پرکھنٹہ تھا۔ آپ نے خط واپس کرنا تو درکنار سرے سے خطوط نویسی ہی ترک کر دی۔ میں کیا کرتا۔

[اور جناب ایسے خط و کتابتوں کے لئے میں کیا کرتا۔ جی کرتا کہ بھیا یہ تو بہت آگے پیچھے دیکھ کر گھسنے والے لوگ ہیں رسم مراثیت ہی اٹھاؤ۔ تو برس کی خاموشی بہر حال خوب رہی۔ انہیں ۱۶ مئی ۱۹۹۰ء]

آپ کی کتاب ”نیاز فتح پوری“ کو میں نے کیم مئی کو دوبارہ پڑھا۔ نیاز صاحب کے کراچی آنے کے بعد نگارام پور سے اکبر علی خان نے شائع کیا۔ اکبر کا کہنا ہے کہ باقاعدہ اجازت بلکہ ہوں کہئے خرید کر شامت کا اہتمام کیا۔ اکبر علی خاں حدود و جد بدویانت انسان ہے۔ نیاز صاحب ہی نے ٹھیک کہا ہوگا۔ [۱۳۲ مئی ۱۹۷۹ء]

طفیل صاحب پر خاکہ آپ نے پسند فرمایا اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ یہ خاکہ پانچویں مرتبہ شائع ہوا ہے۔ کتاب کی طبعیت ”کتابت“ کاغذ پر پنجہ صمد ہے لیکن افسوس کہ اس میں افلاطون راہ چاگئی ہیں۔ مرتب نے عنوان بدل دیا۔ میں نے اس کا عنوان ”ہوئے گل“ رکھا تھا۔ کچھ جملے ”بعض نام قاصد ہیں اور یہ کٹر بیعت میرے لئے باعث تکلیف ہوئی۔ سب سے پہلے یہ خاکہ محمد نقوش کے عنوان سے ملتان کے ایک رسالے ”ہم قلم“ میں بغیر میری اجازت کے چھپ گیا۔ ایڈیٹر صاحب پڑھنے کے لئے لے گئے تو فوٹو اسٹیٹ کرایا اور چھاپ لیا۔ ”اسباق“ پوند میں میری رضا سے چھپا اور من و من چھپا۔ دلی سے ”عصری ادب“ شائع ہوتا ہے۔ بالکل سچے پر طفیل صاحب کی تصویر چھپی اور رسالے میں خاکہ۔ لیکن ایڈیٹر اکرم محمد حسن صاحب نے دو نام ڈاکٹر ڈاکٹر فاروقی اور اکبر علی خاں کے حذف کر دیے

اور مجھے لکھا کہ ”اودھم کریں گے“ شریف آدمی ہیں حکومت ہند سے نہیں ڈرتے۔ ادبی غنڈوں سے ڈرتے ہیں۔ میں نے یہ خاکہ محمد نقوشی کے لئے لکھا تھا۔ اس کتاب کو میں مرعوب کر دیا تھا۔ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ طفیل صاحب کو خاکہ ملا تو مجھے لکھا کہ ”میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کی تھن تھو ہو“۔ چنانچہ مندرجہ بالا دونوں نام کٹ گئے۔ میں نے لکھا بھی کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کی کلپیٹ ذمہ داری میری ہے۔ مگر وہ نہ مانے شریف آدمی ہیں اور ایڈیٹر کیا کریں۔ انہوں نے مجھے دس ہزار روپے دیئے تھے۔ مرعوب نے دو ہزار کر دیئے اور ڈھٹی مادی اگر کبھی میں کتابی شکل میں خاکے شائع کر سکا تو پھر اصل عبارت ہی ہوگی۔ میں نے گزشتہ سال ڈاکٹر سلیم اختر کا خاکہ لکھا، عنوان تھا ”سنخورد“ ماہ مارہ الفاظ کراچی نے اپنا ایک شمارہ سلیم اختر کے لئے وقف کیا ہے۔ سب سے پہلے طفیل صاحب نے کہا ”یہ خاکہ مجھ پر لکھے گئے خاکہ سے اچھا“۔ سلیم اختر نے کہا ”میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میرے بارے میں خاکہ لکھا گیا ہے بلکہ بحیثیت ناقد کے لکھتا ہوں کہ طفیل صاحب کے خاکے سے یہ خاکہ بدرجہا بہتر ہے۔“ گزشتہ سال ۱۲۶ اگست کو نئی دہلی میں ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے خن در کی بڑی تحریف کی تو میں جل کر کباب ہو گیا۔ طفیل سے یاری ہے اور میں نے بڑی محبت سے اس کی تصویر بنائی تھی۔ سچی نہیں کہ میں نے اس کی اچھائیاں گنوائی ہوں میں نے اس کے معائب کو بھی پیش کیا۔ ملازموں سے سلوک۔ کمر میں بیوی اور بچوں سے برتاؤ دوستوں سے سل ملاب پوتے پوتیوں سے دلچسپی غرض کوشش کی کہ جیسا میں نے طفیل کو پایا دیسا ہی پیش کروں۔ مگر یہ کیا قصہ ہے کہ جس کو دیکھو وہ سنخورد کی تحریف کر رہا ہے۔ الفاظ کا یہ شمارہ ایک ماہ میں فتم ہو گیا۔ کراچی اور لاہور سے آشنا اور نا آشنا لوگوں کے تو صلی خطوط پہنچے مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے طفیل کا خاکہ ہی پسند ہے۔ میرے ایک دوست اور کرم فرما پروفیسر نظیر صدیقی نے ایک مجموعہ شائع کیا ہے ”نا سے جو میرے نام آئے“ یہ خطوط کا مختصر سا انتخاب ہے۔ بھلے آدمی نے میرا بھی ایک خط چھاپ

دیا۔ اس فہرست میں کیسے کیسے نام ہیں معاذ اللہ اور پھر میں ایک گوشہ نشین انسان۔

[۱۹۸۳/۸/۱۶ء]

میرے ایک رفیق کار ایک مرتبہ چاپان گئے اور جب وہ ہال میں داخل ہوئے تو اعلان کیا گیا کہ پروفیسر نذیر احمد خطاب فرمائیں گے تو ہال میں موجود ہر شخص اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لفظ پروفیسر مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں کیا مفہوم رکھتا ہے ہمارے ملک میں صوت حال یہ ہے کہ جو شخص کوئی کام نہیں کر سکتا وہ ٹھکرہ تعلیم میں ملازمت کر لیتا ہے اس لئے کہ صرف محضاد ہی تولیتی ہوتی ہے کام تو کچھ کرنا ہوتا نہیں۔ ایک پروفیسر کی قسم وہ ہے جو فٹ پاتھ پر بیٹھ کر قسمت کا حال بتاتے ہیں۔ بھائی پروفیسر تو بہت بڑا عالم ہوتا ہے اب گنتی گنتی کو الکیوں پر شمار کو نہیں ملیں گے۔ میں پروفیسر نہیں ہوں اور نہ یہ پسند کرتا ہوں کہ مجھے پروفیسر کہا جائے۔ میں نے ایک زمانے میں امرتسار میں کچھ ادب اور شعراء کے خاکے لکھے تھے ازل تو وہ اب میرے پاس ہیں نہیں اور ہوتے بھی تو سوائے تین خاکوں کے کوئی بھی اس قافلہ تھا کہ اسے کتابی شکل میں محفوظ کرنا۔ آپ نے گیارہ خاکے لکھے ہیں۔ خاکہ نگاری بے حد مشکل کام ہے۔ جب تک آپ اس فن کے باطن میں نہ جھانک لیں اچھا خاکہ ممکن نہیں ہے۔ یقیناً آپ نے شاہد احمد صاحب دہلوی اور میر صاحب کے عمودہ خاکے لکھے ہوں گے۔ مجھے وہ دنوں سے نیاز مندی رہی۔ شاہد احمد دہلوی صاحب کے داماد عادل تو میرے ہم جماعت رہے۔ ان کی وہ بچی جو عادل سے منسوب تھی کمر آ یا کرتی تھی۔ میر صاحب انتقال سے صرف چار یا پانچ دن پہلے تک ستان ہی میں تھے اور میں ہر روز ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ ان کے صاحبزادے اسلم صاحب بڑے شریف انسان ہیں ان کی خواہش تھی کہ میر صاحب کے خطوط جوان کے اور ان کی بیبیوں کے نام ہیں انہیں میں مرتب کر دوں لیکن میں آمادہ نہ ہو صرف اس خیال سے کہ غالب کے خطوط تو میر صاحب ترتیب دیں اور میر صاحب کے خطوط میں مرتب کر دوں۔ میرے ایک شاگرد شفیق

آتش بہاول پور یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں پڑھاتے ہیں۔ انہوں نے مہر صاحب پرنٹنگ پریس کراچی اور خطوط جمع کئے ہیں واللہ اعلم۔ کئی سال ہوئے انہوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ خطوط لینے آئیں گے مگر نہ وہ آئے نہ خط آیا۔ میں نے فکیل صاحب کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ مہر صاحب کے لئے نقوش کا ایک شمارہ وقف کریں۔ مہر صاحب کی اسلم صاحب کے علاوہ تمام زینہ اولاد و نامعلوم ہے۔ پہنچ گئے کہ نقوش کا ممبر شائع ہوگا۔ تو ہمیں کتنی رقم ملے گی۔ فکیل صاحب نے خیال ہی ترک کر دیا۔ یہ وہ اولاد ہے جو مہر صاحب کی زندگی میں ان کے جعلی دستخط کر کے بینک سے روپیہ حاصل کرتی تھی۔ خدا جانے ان کے کتب خانے کا کیا حال ہوا۔ قدیم اخبارات کے کھل فائل ان کے پاس تھے۔ آپ نے خطوط (خطوط مہر) تیار کروا بہت اچھا کیا۔ یقیناً کوئی صاحب دل اسے شائع کرے گا۔ بہاول پور میں ایک صاحب نہایت عمدہ جلد بناتے ہیں۔ میرے ایک شاگرد مظہر سعید کاظمی یونیورسٹی میں شعبہ انگریزی میں استاذ تھے۔ (اب وہ یہاں یونیورسٹی میں ہیں) میری ایک کتاب کی جلد نوٹ گئی انہوں نے اُسے دوبارہ بنوایا ایسا معلوم ہوا کہ انگلستان سے کتاب ابھی ابھی آئی ہے۔ محترم محمد الدین صاحب جو ہر قائل ثابت ہوں گے اور خطوط کی عمدہ جلد بنوائیں گے۔ ۱۹۸۳/۸/۲۶ء۔

[انصاری کے یہی تعلق ہیں جعلی دستخطوں سے پیسے نکالنا بلکہ گواہی دینا۔ پڑھ کر مجھے تو حیرت آئی۔ مہر صاحب مرحوم کا کتب خانہ بالکل سترے داسوں میں ہزار روپے میں گلاب گھرا ہوا ہے خرید لیا۔ مہر صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے احمد سلیم طوی نے میرے نام مہر صاحب کے دو سو پچیس مکتوب "خطوط" کے نام سے گیمپ اوپن کئے تھے۔ بڑی بات یہ کہ قطعہ درجہ سے نکالنا کس کام نہیں لیا گیا جو کچھ تھاکسن دکن چھپ گیا۔ مجھ سے زیادہ دل گروہ احمد سلیم کا تھا۔ وہ دادو میں کات چھانٹ بات بے بات چلی جاتی ہے۔

ملتان میں ایک اور لعنت بھی ہے جو داڑھی رکھ لے وہ صوفی کہلاتا ہے۔ بتائیے کیا کریں؟ مہر صاحب سے ایک روز میں نے پوچھا کہ کیا اقبال کا غیر مطلوبہ کلام بھی ہے؟ فرمایا ہے ”مگر اتنے بڑے بڑے تالوں میں بند ہے۔“ دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ اس وقت میرے ایک شناسا (لفظ دوست بھی پایا) ہو چکا ہے میں صرف فضیل صاحب کو دوست کہتا ہوں (سلطان صدیقی اینڈ وکیٹ بھی موجود تھے۔ جب ان کے انتقال کی خبر آئی تو بے اختیار آنسو نکل آئے۔ رٹے پودالے آئے زبردستی پکڑ لے گئے میرا نگارندہ حادوا ہوا تھا بولا نہیں جاتا تھا۔ میں نے کسی نہ کسی طرح تقریر کی اور یہ واقعہ بھی دہرایا۔ لیکن ہوائی ہاتھوں کو کون سنتا ہے۔ نئی نسل کو کیا معلوم کہ مہر صاحب کی خدمات کیا ہیں۔ جو جانتے ہیں وہ بھی چپ ہو گئے ہیں کہ اقبال کو ہم نے گتوں کے سپرد کر دیا ہے۔ مہر صاحب کے انتقال کے بعد میں نے کالج میں ایک جلسے کا اہتمام کیا اور ان کے پوتے سے صدارت کرائی۔ ایک مضمون میں نے بھی پڑھا تھا۔ اور وہ مضمون ان کے صاحبزادے اسلم صاحب نے لے لیا تھا۔ یہاں بہاء الدین ذکر کیا یونہی رشتی کے شعبہ اردو میں ایک صاحب نجیب الدین انصاری المعروف پرنسپل جمال یگانہ پر ملی ایچ ڈی کا تھیس لکھ رہے ہیں۔ آپ کا جی چاہے تو یونہی رشتی کے پتے پر خط لکھ کر پوچھ لکھتے کہ وہ آپ کو عاریتاً کتابیں دے دیں گے؟ پہلی بات تو یہ یاد رکھئے کہ ان کا اصل نام نہ لکھئے کہ اس سے جولاہے پن کی بو آتی ہے اور یونہی رشتی ہیکچر خواہ وہ جلاہی کیوں نہ ہو اسے یہ بات پسند نہیں آتی۔ دوسری بات یہ کہ ان کے ہم جماعت بھی اگر کمر جاتھیں تو ایک کپ چائے نہیں پلا سکتے۔ لٹافے پڑ تو ساتھ پیسے خرچ ہوتے ہیں اور رجسٹرڈ چیک پڑ تو چھ سات روپے خرچ آتا ہے۔ حضرت کراچی پچھلے شفیق خواجہ سے ملے اور کہا ”میں لطیف الزماں صاحب کا شاگرد ہوں وہ میرے کالج میں ہڑتے ضرور تھے مگر وہ میری گزشتہ ہیں۔ خواجہ صاحب شریف انسان ہیں ان کے پاس جو کچھ یگانہ پر تھا سب کچھ اٹھا کر دے دیا اور نہایت لذب کھانا بھی کھلاتے رہے۔ جس سے

ملے میرا حوالہ دیتے رہے۔ ایک صاحب تو اپنی چیزیں لینے مکان بھی تھریف لائے۔ ایک بات اور سن لیجئے۔ اوراق کے دو شمارے جو حال ہی میں شائع ہوئے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ ہندوستان کے عیش خنی صاحب کا مضمون جناب نجیب انصاری نے اپنے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ شائع کر لیا۔ یونیورسٹی میں اسٹنٹ پروفیسر ہونے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہوگا۔ اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ پگانہ کے سلسلے میں آپ یا کوئی اور صاحب مواد رکھتے ہیں تو یہ ممکن صورت بنائے آپ کے پاس پہنچ جائیں گے اور آپ سے سب کچھ لکھوالیں گے اور آپ سے کئی روز لڈیز کھانے کھا کر واپس آ جائیں گے۔ لوگوں سے کہیں گے دیکھو کھانے پر کتنے روپے صرف ہوئے سب بچا لایا ہوں۔ پگانہ پر ایک تھیمس پنڈ یونیورسٹی میں لکھا گیا ہے اور پگانہ کی غزل پر علی گڑھ میں کسی طالب علم نے تھیمس مکمل کر لیا ہے۔ وہ اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح یہ مقالات ہاتھ آ جائیں تو ان کے ساتھ ہی وہی سلوک کیا جائے جو عیش خنی صاحب کے مضمون کے ساتھ کیا ہے۔ میرے ذخیرہ کتب میں غالب حسن نگینہ اور شاید آیات و ہدائی ہو۔ عبدالماجد دریابادی نے جس واقعے پر غلیں بھائی ہیں اس کا پگانہ کے کلام سے کیا تعلق؟

[۱۹۸۳/۹/۳ء]

{میرا مکان دہلی سے یہ ہے کہ اقبال کا کلام تو ہوگا غیر مطلوب لیکن یہ جو آئے بڑے بڑے تالے چڑے ہوئے ہیں جہاں بھی۔ وہ ہیں وہ مراسلت بھی دہلی چڑی ہے جو ادھر سے شام کی اپنے احباب سے دوران قیام لندن میں ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء جاری رہی ظاہر ہے مروج نے خوب مکمل کر لکھ لیا اور جرمی کی رنگینہ پر محکموں کی ہوں گی اسے چھپ کر عام ہونا چاہئے اگر اس میں اقبال کی جادہ چاندیوں کے قصے بھی ہوں تو اقبال اسے چھوٹی موٹی تو ہیں نہیں کہ بس مر جھاکر رہ جائیں گے۔ سوائے دریابادی پگانہ کے متکا لکھ جانے پر بہت خوش ہوئے تھے۔ میں نے پگانہ کی سوانح عمری قریب قریب مکمل کر دی ہے۔

[انجس ۷، مئی ۱۹۹۰ء]

اقبال کا غیر مطلوبہ کلام مہر صاحب کے مگر نہیں اقبال کی اولاد کی تحویل میں ہے یہ بڑے بڑے تالوں میں بند ہے۔ مہر صاحب فرماتے تھے جو کلام چھپ گیا ہے اس کی مارکٹنگ اتنی ہے جو دہائے کھائے نہیں کھائی جاتی تو وہ غیر مطلوبہ کلام کیوں نکالیں اور کیوں چھاپیں۔ مرزا ظفر الحسن صاحب ۱۴ ستمبر کو ساڑھے چھ بجے انتقال کر گئے۔ دل بہت اداس ہوا۔ وہ بہت قدر گندی رنگ کا ڈکٹیٹر مجھے بہت یاد آیا۔ بلا کا تباہ کونش خندی اور اوٹیل شخص۔ مرحوم اپنے آگے کسی کو نہیں گردانتے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود رسائل کی ایسی لائبریری مرزا صاحب بنا گئے ہیں جو کہیں اور مشکل سے ملے گی۔ میرے پاس رسائل کا بڑا ذخیرہ تھا۔ بیشتر اس کا حصہ میں نے مرحوم کے ایما پر غالب لائبریری کو دے دیا تھا۔ نجیب الدین صاحب کے بارے میں تازہ ترین اطلاع امروز ملتان کے ایڈیٹر جناب ساغر صدیقی صاحب نے یہ فراہم کی کہ کراچی میں آغا باقر صاحب کے پاس لگانہ کے قلم سے لکھا ہوا کلام تھا۔ حضرت نجیب وہاں رمضان سے قبل پہنچے اور ممکن صورت دیکھ کر آغا صاحب نے عیاض دے دی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ فرٹو اسٹیٹ بنواتے اور واپس کر دیتے لیکن عیاض نے کر یہاں آ گئے۔ آغا باقر صاحب کے بھائی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ فرمایا کہ ”مگر قاتر کو بخشو“۔ لیکن ساغر صاحب نے عیاض کسی طرح حاصل کی اور آغا باقر صاحب کو روانہ کر دی۔ لگانہ پر ایک صاحب کی کتاب بھی میرے پاس ہے لیکن طبع شدہ اوراق کو کتاب تو نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم چونکہ آپ حالات زندگی نگاہ رہے ہیں لیکن ہے وہ آپ کے کام آسکے۔ اس ”جدیدیت“ کے دور میں آپ کو کلاسیکیت سے شغف ہے۔

[۱۹۸۳/۹/۲۲ء]

جب ہندوستان تقسیم ہوا تو سید شجاعت علی قدردان نقوی میرٹھی ملتان میں مقیم کراچی پاکستان کے جسے میں آئے اور اکبر علی خان راجپوری السروف عرشی زاہد ہندوستان

کے حصے میں آئے۔ (ڈوئل پڑے باکمال بزرگ ہیں یوں تو جتنی خوبیاں ان ہاکمالوں میں پائی جاتی ہیں ان کے ساتھ ساتھ جو غلیم ہو شرابا کے مصنف کی ضرورت ہے۔ میں تو صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ ڈوئل بزرگ چاہتے ہیں کہ جو بھی کام ہو صرف ان کے حوالے سے ہو۔ قدرت صاحب جو خطوط لکھتے ہیں اس کی نقول بھی اپنے پاس رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہر صاحب سے جو خط لکھا ہے اس کی نقول بھی اسے وہ آشوب آگئی کے عنوان سے شاید مجھ میں شائع کرا چکے ہیں۔ ساری سچ و جدائی کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ایڈیشن اب نہیں ملتا۔ پکارت کا www.writing.com انگریزی میں ان کے دھخط اور جرمن قوم کے نام اشتاب شاید کہیں اور نہ ملے۔ مدت گزری الیاس عشقی صاحب یہاں ریڈیو مٹان کے ڈائریکٹر تھے۔ غالب حسن کا دوسرا ایڈیشن انجی کا مکتبہ کردہ ہے۔ یہ کتاب بھی نایاب ہے۔ [۱۹۸۳/۱۰/۷]

کل صبح میں دانیو بیہوش کے دفتر گیا سنا میں سلیم اختر پر لکھا ہوا خاکہ اور ۱۸ اکتوبر کا خط ایسے لفظوں میں جو کھانکھٹ جس میں اندر کپڑا ہوتا ہے۔ ڈاک خانے گیا اور رجسٹری نمبر ۹۷۲ کے ڈرائیو شپ پر پہنچا۔ روانہ کیں۔ کلاس روم میں دس منٹ لیٹ پہنچا۔ ملازمت کے دوران (میں کو یہ پہلا واقعہ ہے۔ میں نے طالب علموں سے معافی مانگی مگر خوشی اس امر کی تھی کہ کتابیں ہمارے خزانہ ہو گئیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ”ذمہ دار آدمی“ سمجھا۔ میں نے ملازمت کے طویل عرصے میں بہت کم رخصت لی ہے۔ اس سال صرف ایک دن کی چھٹی ۲۱ اپریل کو لی تھی۔ اس دن پیارے دوست محمد نقوش کے صاحبزادے چارو نے اپنے دوست کو بیمار میں شرکت کے لئے بلایا تھا۔ میرے طالب اکثر بچتے ہیں آپ بیمار نہیں ہوتے۔“ [۱۹۸۳/۱۰/۳۰]

میرے والد آپ کے درمیان جو بلکی سی ترشی دھکی آگئی تھی وہ دراصل دیوانہ غالب بخٹہ غالب کی ملازمت کے مسئلے کی وجہ سے تھی۔ وہ وقت مناسب نہ تھا۔ اب میں نے

خود ہی قلیل صاحب کے خاکے میں حقیقت لکھ دی^(۱) ہے۔ مرزا ظفر الحسن مرحوم ادبی نہیں سیاسی آدمی تھے۔ انہوں نے فیض صاحب کو بیساکھی کے طور پر استعمال کیا۔ اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کو انہوں نے غالب لاہوری کے قیام کے سلسلے میں بڑی خوبی سے استعمال کیا۔ انہوں نے آخری زمانے میں جو کئے چیز اور طبع خطوط میں نے مرحوم کو لکھے اور یہ ان کے ڈائریکٹریٹ لب و لہجہ کی وجہ سے ہوا اور میں نے انہیں پسپا کر دیا تھا۔ لگاتار جب تک زندگی گزارنے پر قادر رہے۔ بد قسمتی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ مرگئے تو بھی بد نصیبی کم نہ ہوئی۔ نجیب جیسے لوگ ان پر ستارہ لکھیں گے۔ مولوی عبدالحق صاحب کا کوئی خط میرے پاس نہیں۔ لیکن ان کی دستخط شدہ تصویر ہے۔ بعض نامور تصاویر ہیں جو شاید لکھیں اور نہ ہوں۔ عہدالہجید قمری صاحب سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی ایک چھوٹی سی الماری کتبہوں کی۔ باقی زیادہ۔ لوگوں سے تعلقات کا ذکر اس سے بھی زیادہ کام نہ کریں۔ [۱۹۸۳/۱۱/۲۳]

دیوان غالب بخار غالب کا نام قلیل صاحب نے نسخہ نقوش نہیں نسخہ لاہور جو بہ کیا تھا۔ اس زمانے میں جو اختلاف میرے اور آپ کے درمیان ہوا اس کی تفصیل میرے خطوط میں ہوئی۔ میرے دل میں غبار نہ اس وقت تھا نہ اب ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں اصولی بات کہ بغیر نہیں رو سکتا۔ [۱۹۸۳/۱۱/۲۳]

محبت چغتائی آئی تھیں لاہور میں ایک چلے کے اختتام پر مرحوم دکار عظیم صاحب نے فرمایا "ہمارے ساتھ بھی ایک تصویر کھینچا لیجئے"۔ چنانچہ محبت صاحب دکار صاحب اور میں۔ ناصر زیدی چائے پیچے ہوئے ڈیوڈنی گھس آئے۔ اسلام آباد میں جوش صاحب کے مکان پر میں محبت چغتائی کے ساتھ پہنچا۔ نو نوگرافرو نوگراف بنانے لگا

۱۔ نوگرافروہ سے حلقی اور جوری مطومات فراہم کر کے وہ چھپاتے اور خطوط کی دہائی کا مطالبہ کیا۔ عجیب سی بات۔ ملائکہ میں نے بات پہلا لکھی کہ ان بات ہی نہیں کی تھی۔ لہذا نوگراس کا طویل وقفہ میں دیا گیا انہیں ۱۷ اگست ۱۹۹۰ء۔ (D. ۱۰)

تو جوش صاحب نے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا اور اب تصویر کی صورت یہ ہے کہ میں درمیان میں ہوں ایک جانب جوش صاحب اور دوسرے ہاتھ پر مصمت۔ ایک عظیم شاعر اور ایک عظیم انسانی نگار۔ ڈاکٹر ڈاں احمد فاروقی نے اپنی کتاب ”علاش غالب“ میرے نام معنون کی لیکن مجھے اس وقت معلوم ہوا جب میں پروف پڑھ رہا تھا۔ میں نے یہ ہزار خرابی پبلشر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرا نام پروف چھاپے بلکہ صرف ”لطیف عارف“ تو بنے دے اس لئے کہ اس نام کو کوئی نہیں جانتا لیکن جب دلی سے یہ کتاب چھپ کر آئی تو میرا پورا نام موجود تھا۔ ڈاکٹر فکیل الرحمن صاحب نے لیکن چائلز بیار نے اپنی کتاب اقبال اور فنون لطیفہ میرے نام معنون کی مگر اس کی اطلاع ایک دوست نے دی اور جب ہندوستان سے کتاب آئی تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نے میرا پورا نام چھپوایا ہے۔ برادر م نظیر صدیقی کو تو میں سات آٹھ ماہ تک مسلسل منع کرتا رہا لیکن وہ نہ مانے اور تقسیم و تعبیر نہ صرف میرے نام معنون کی بلکہ نام سے پہلے لفظ پروفیئر بھی چھپا جو میں نہیں ہوں۔ مجھے ضرور فٹنکس سے بڑی کوفت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر فرمان اور میں یو نیورسٹی میں ساتھ تھے وہ اردو میں اور میں شعبہ انگریزی میں تھا اور قریبی تعلق رہا لیکن میں نے ان سے نہ کبھی کتاب طلب کی نہ رسالہ۔ شفیق خواجہ صاحب سے بھی یہی قصہ ہے۔ سیپ کے ایڈیٹر جم دورانی نے بہت کہا لیکن میں رسالہ لینے پر آمادہ نہ ہوا۔ سہیا لکھنوی صاحب کو تو میں تقسیم ہند سے قبل جانتا تھا لیکن وہ نہ چندہ لیتے ہیں نہ میں رسالہ۔ احمد عظیم چاکلی صاحب سے ۱۹۴۸ء سے یاد اللہ ہی ہے میں نے کبھی کوئی کتاب یا رسالہ تعبیر قیمت آدا کئے نہیں لیا۔ ہاں فکیل صاحب کا معاملہ مختلف ہے ان سے دوستی ہے وہ (کتاب لکھا کیجئے میں ناہر رضا لکھی۔ ۱۹۸۳/۱۲/۱۱)

(۸) یونی میں جب کسی کی شادی ہوتی تھی تو لڑکیاں ایک شب ڈھولک پر گیت گاتی تھیں۔ عورتیں خائش ہوتیں اور آخر میں بوڑھی نانیاں اور دادیاں بھی آ جاتیں اس کورٹ جنگا کہتے تھے۔ میں تو ”انسوینیا“ کے مرض میں مبتلا ہوں یعنی نیند نہیں آتی۔ ۱۹۸۵/۱۲/۱۳ء

پروفیسر آزاد صاحب شعبہ اردو پنڈت یو غورشی کو اور (۱۲) پروفیسر ذاکٹر انصار اللہ نظر صاحب شعبہ اردو مسلم یو غورشی علی گڑھ کو خطوط لکھ چکا ہوں مگر آپ جی تک جواب نہیں آیا۔ ڈاک خرچ اتنا زیادہ ہوا کہ کیا ہے کہ لوگ خطوط کا جواب نہیں دیتے (۱۳) اکثر جنت کے قہیس کی نقل کون جیسے گا۔ "یگانہ کی غزل" از جیلہ ہانو یہ مقالہ یو غورشی علی گڑھ میں لکھا گیا۔ یگانہ حیات اور کارنامے از عبدالرشید پنڈت یو غورشی پنڈت میں لکھا گیا۔ علی گڑھ میگزین ۶۱ میں یگانہ کی خودنوشت شائع ہوئی تھی۔ یہ میگزین ڈاکٹر محسن الرحمن صدقہ علیہ الدود کو رشتہ کا لڑ لاہور کے پاس موجود ہے۔ میرا حوالہ دینے بغیر منگوا دے شاید دے دیں۔ نقوش شخصیات نمبر اور آپ جتنی نمبر دونوں میں مضامین ہیں۔ صاحب از ظہیر علی حوالہ آیا ہے۔ نیا دور جولائی ۶۱ میں بھی ایک مضمون موجود ہے۔ اردوئے معلیٰ (دہلی یو غورشی) غالب نمبر حصہ دوم بھی دیکھئے۔ آپ جب یہ مطالعہ فرمائیں تو بتائیے گا میں سب لکھے پہلے قہیس کا عنوان اور مصنف کا نام لکھ بھیجوں گا۔ ۱۹۸۵/۳/۶ء۔

ذرا احتیاط برتنے گا۔ ڈاک احمد فاروقی مجھے ہالاک شخص سے آپ کا خط بھجوا رہا ہے وہ آپ کو یگانہ کی غزل از جیلہ ہانو قیامت تک نہیں بھیجیں گے۔ البتہ آپ ستنے دو چار ہزار روپے نقد یا کتابوں کی شکل میں وصول کریں گے۔ ایسا ہنرمند اور چپ برصغیر میں کم پایا جاتا ہے۔ ۱۹۸۵/۳/۱۳ء۔ (۱۵)

سب سے پہلا ڈاکٹر یگانہ کا مقالہ راہی معصوم رضا صاحب نے یگانہ پر لکھا تھا۔ راہی صاحب بھتی میں ہیں۔ ان کا مقالہ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے (۱۶) ۱۹۸۵/۳/۱۸ء۔ ڈاک احمد فاروقی صاحب ایک کے بدلے ایک کتاب طلب نہیں کرتے ایک کے بدلے سو کتابیں چاہتے ہیں اسے سہا لاندہ جائے۔ تین ہاتھ مختصر غزل پر لکھتا ہوں۔ میں نے دو ہزار نقد انھیں دلوائے اور یہ گزارش کی کہ میری خالہ صاحبہ کو میں روپے مانا نہ بھیجتے رہیں۔ صرف دوسو چالیس روپے جیسے باقی سب بھجھ کر رکھے اور خالہ صاحبہ ایک ایک نوالے کو ترستی

رہیں اور آخروہ پیوہ ضعیف اور بیمار خاتون باللہ کو بیماری ہو گئیں۔ ایک مرتبہ ملاقات ہوئی فرمایا کہ انجمن ترقی اردو کراچی ڈاکٹر گیان چند جین کو تین سو روپے بھجوانا چاہتی ہے تم دے دو۔ انجمن جمنیں دے دے گی۔ میں نے روپے دے دیئے۔ ڈاکٹر جین کو آج تک روپے نہیں ملے۔ دس بارہ سال کے بعد معلوم ہوا کہ انجمن غیر ملکی ادیب کو روپے صرف اسی صورت میں داتا کرتی ہے کہ وہ خود آئے اور وصول کرے۔ چنانچہ وہ رقم بھی ڈوبی طفیل صاحب رسول نمبر پنجاب رہے تھے۔ فاروقی صاحب تشریف لائے۔ ان کی پسندیدہ ساز سے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر طفیل صاحب نے بذریعہ ہوائی جہاز (کرایہ کا اندازہ خود لگائیے) دلی بھجوائیں۔ جن کتابیں پہنچ گئیں تو دلی سے مصوف کا خط آیا کہ دس ہزار روپے اور بھجواؤ تو مضامین لکھواؤں گا۔ وہ رقم بھی ڈوبی۔ میں نے کتنی کتابیں انہیں بھیجی ہیں۔ سب ڈائری میں لکھی ہوئی ہیں۔ بیاض غالب بخلف غالب کے تین سو نسخے میں اور طفیل صاحب سرحد تک پہنچا کر آئے تھے۔ ایک فہرست دی تھی کہ فلاں فلاں ادارے اور اصحاب کو بھیج دیں۔ ایک بھی نسخہ کسی کو نہیں دیا تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے تمام جلدیں فروخت کر دیں اور پیسہ ہضم تو جناب یہ ہضم امر ہوئی ہیں۔ ثار احمد فاروقی تو لوگوں نے ویسے ہی کہا شروع کر دیا ہوگا۔ اصل نام ہضم امر ہوئی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تمام جلدیں پہلے مشفق خواجہ کے ہاں سے اٹھائیں اور لاہور پہنچ کر بے چارے ڈاکٹر جین الرحمن کے گھر ڈاکہ ڈالا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تمام جلدیں اٹھا کر سیدھے دلی پہنچ کر دو نے دام کمرے کئے اور قصہ ختم پیسہ ہضم۔ خشی پریم چند نے آہنگہ غالب کے نام سے غالب کے دیوان کی شرح لکھی تھی میں اس کی تلاش میں ہوں۔ مرزا ظفر الرحمن مرحوم نے "کاشائے اہل کرم" کے نام سے غالب پر کوئی کتاب لکھی کیا یہ شرح ہے۔ میر فیروز کا قصہ یہ ہے کہ یہاں ایک صاحب تھے آثار سلو جانی صاحب۔ ان کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ ایسا تھا جس پر غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی زائید عبارتیں تھیں۔ پنجاب یونیورسٹی غالب کی تمام

کتاہوں کو دوبارہ شائع کر دی تھی۔ میں نے مرحوم حمید احمد خاں صاحب کو لکھا تھا کہ احسن صاحب جو سمر فیروز کو مرتب کر رہے ہیں، تشریف لائیں میرے یہاں قیام فرمائیں اور اس نسخے کو دیکھ لیں۔ اسی سلسلے میں مہر صاحب کو بھی لکھا تھا لیکن احسن صاحب نہیں آئے اور کسی پرانے نسخے کا ری پرنٹ چھپ گیا اور مرتب اس کے احسن صاحب ہوئے۔ سلطان صدیقی نے ایم اے ایل ایل بی ایل ایل بی ایل ایل سے پاس کیا۔ جب ہندوستان میں ملازمت نہ ملی تو یہاں آگئے اور وکالت شروع کر دی۔ میں نے انہیں مجبور کیا کہ ملگ ہو اور لکھتے نہیں ہو۔ چنانچہ غالب پر مضامین لکھوائے جو عرفان غالب کے نام سے کتابی شکل میں چھپے میں نے مہر صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ اس پر دیباچہ تحریر فرمادیں مگر مرحوم اس قدر مصروف رہے کہ اس پر کچھ نہ لکھ سکے۔ سلطان صاحب اب بالکل نہیں لکھتے۔ وکالت پیش ہے مگر کچھ نہیں کرتے۔ اب حاجی ہو گئے ہیں۔ لہذا پڑھنا لکھنا لوگوں سے ملنا ہر چیز ترک کر دی ہے۔ میں نے مہر صاحب کے خطوط کے لئے اسنے پکران کے گھر کے لگائے ہیں کہ میں کوچہ پار میں بھی اتنی مرتبہ بھی نہ جاتا مگر حاجی سلطان پر کچھ اثر نہیں میں اس کی مغفرت کی دعا ابھی سے مانگ رہا ہوں۔ ۱۹۸۵/۳/۳۰ء۔

ہاضم امر دہوی کو میں نے ”کتاب چند“ نہیں لکھا انہیں کتاب چرانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب طفیل صاحب جیسے لوگ خرید کر انہیں گھر تک پہنچا دیتے ہیں اور مجھ جیسے بے وقوف ان کے کہنے پر کتابیں خرید کر بھیج دیتے ہیں۔ ملتان میں ایک علاقے کو چوک بازار کہا جاتا ہے۔ شہر کا سب سے بڑا بازار ہے۔ ہر قسم کا انسان وہاں نظر آتا ہے۔ ایک فقیر کسی بھی صدا لگاتا ہے ”اندھا محتاج اور لاچار ہے“ میں نے کئی گھنٹے شائع کرنے کے بعد معلوم کر لیا کہ وہ اندھا نہیں ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ نہ محتاج ہے اور نہ لاچار۔ بہت بڑا ماہر نصیات نہ کہیں غلطی بھی وہ بلا کا چہرہ شناس ہے اور علم قیافہ سے کام لے کر صرف اس وقت صدا لگاتا ہے جب اسے یقین ہو کہ سننے والا اس کے وار سے بچ نہیں پائے گا۔ ہاضم

امروہوی بھی اس معاملے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان کی ایک کتاب حاشیہ غالب میں نے لاہور سے چھپوائی تھی۔ یہ کتاب نایاب میں گاڈ رینج بیچر پر شائع ہوئی تھی۔ تمام روپیہ میں نے خرچ کیا۔ ملاقات بھی ہوئی خط و کتابت بھی رہی مگر کیا بھائی جو کبھی جھوٹے سے بھی حضرت صاحب نے ذکر کیا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ تین سو جلدین وصول فرمائیں اور دینی پہنچ کر فروخت کر دیں۔ اس کی جلد فطیل صاحب نے بخائی اور ڈسٹ کر بھی انہی نے تیار کرایا۔ ہضم صاحب کے کلمات استغنی ہیں کہ تین سال بھر کم از کم سال بھر مسلسل بارہ کھنے روزانہ نگہوں جب بھی پڑھنے والا کہے گا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ مرحوم عبدالقادر سہروردی صاحب کا ایک مضمون ”کلام غالب کی شرحیں“ میں الا تو ای غالب سید مرزا مرحوم ڈاکٹر یوسف حسین خاں میں شامل ہے۔ میں نے بھی پہلی مرچ اسی مضمون میں پڑھا کہ فشی پریم چند نے آجنگ غالب کے عنوان سے دیو ان غالب کی شرح لکھی جسے دو آپریشنز لاہور نے شائع کیا تھا۔ حیرت ہے کہ لاہور میں کسی لائبریری میں یہ شرح نہیں ہے۔ بھائی کیا کہیں میں نے مولانا سہارا اور شوکت میرٹھی کی شرحیں بھی نہیں دیکھی ہیں۔ ۱۹۸۵/۳/۱۷ء۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی کے پروفیسر اسلوب احمد انصاری صاحب نے تو اپنی زندگی اقبال فنی کے لئے وقف کر رکھی ہے ان کی اقبال پر ایک کتاب ایسی بھی شائع ہوئی کہ مرحوم اندر گاندھی دزیرا معظم احمد انہیں مبارک باد دینے پہنچیں۔ میرے ایک نہایت عزیز دوست پروفیسر نذیر احمد صاحب اقبال صدی کے زمانے میں لندن میں سفارت خانے میں ملازم تھے۔ اب اپنی بیکٹری ہیں۔ انہوں نے مجھے لندن سے لکھا تھا کہ اقبال سے محبت تو دور کی بات ہے۔ پاکستانی ادیبوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی ڈھنگ کی کتاب ہی نہیں لکھی۔ اس کے برعکس ہندوستان میں بہت بڑی تعداد میں اقبال پر نہایت عمدہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اقبال کے نام پر اکیڑی قلم ہے مگر لوگوں کو روپے کھانے کے لئے غیر ممالک کی سیر کرانے کے لئے اور جو کسر وہ جاتی ہے تو باہر سے واپس ورتے ہیں۔ ایک

خاتون کا نام آپ نے ضرور سنا ہو میری فصل 'یہ خاتون ہر سال ہی تشریف لاتی ہیں اور سارا زور اس بات پر ہے کہ اقبال صوفی تھے اچھا صاحب ہوں کے لیکن اقبال کے کلام کا وہ حصہ جو حرکت و عمل کی تلقین کرتا ہے اس سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ کیا اقبال کے بارے میں جج بولا جاسکتا ہے۔ ۱۹۸۵/۹/۱۷ء۔

لطیف الزماں خاں کے ارشادات آپ نے ملاحظہ فرمائے اب اجازت چاہتا ہوں۔ انیس ۹ مئی ۱۹۹۰ء۔]

[فاضل مصطفیٰ نے بعض مقامات پر اپنی رائے خطوط کی رعایت سے ہر خط کے آخر میں اور بعض جگہ اس رعایت کے بغیر صلوٰۃ کے آخر میں درج کی تھی۔ صلوٰۃ کے آخر میں درج آرام ہم نے فارغین کی آسانی کے لئے یہاں جمع کر دی ہیں تاکہ مستفاد نہ ہو۔ (ادارہ)]

[ماہنامہ طریق انکار کراچی مئی ۱۹۹۱ء]

دیوانہ غالب بخل غالب (ڈاکٹر شام احمد قادری) کتاب نما میں شائع ہو چکا ہے حقیقت کیا ہے اس کا جواب بھی ضروری ہے۔

[اکبر رحمانی تمام حسین، مجموعہ مطبوعہ ماہنامہ طریق انکار کراچی مئی ۱۹۹۱ء]

ابا مرحوم سید مبارک شاہ جیلانی اردو کے رسیا سندھی سرا نگلی نژاد ہوتے ہوئے خدا جانے کیوں تھے۔ مبارک اردو لاہوری کا ڈول ۱۹۲۶ء میں ڈالا۔ کتب خانے کا نقیب بھی تو ہو کوئی۔ لہذا ۱۹۳۳ء میں سرہاں "لالہ مصر" کا اجراء ہوا۔ مشاعرے کرائے نشستوں کا اہتمام ہوا۔ یہ ایسے وقتوں کی بات ہے جب سفر اتنا آسان نہ تھا اور اس دیر آنے میں گفتی کے لوگ بھی مشکل سے پائے جاتے تھے۔ "پڑھے لکھوں" کا ایک خط اب بھی ہے جب کیا حال ہوگا آپ اعدادہ کر سکتے ہیں۔ ابا مرحوم کی تعلیم بھی تو یحییٰ سیکتی مسجدی تھی۔ مطالعے اور مشق و مداولت سے لکھنے کا ایک ذہب سا بان گوا کیا تھا۔ یوہی کی تہذیب

پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے ان کی اولادوں میں بھی اردو سنا جائے۔ میرے بڑے بھائی مہدی شاہ کو انہوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں اور مجھے ریجنل ایمر جعفری مرحوم کے گھر میں ڈالا۔ پڑھ لکھ کے تو ہم دونوں نے کچھ ایسا نہیں دیا۔ بول چال کی حد تک ضرور شہین قاف سے درست ہو گئے۔ اچھے اچھوں سے رابطہ ضبط اپنی تعلیمی عمر ہی کا ازالہ میں نے مشاہیر اردو سے مراسلت اور ملاقات کرنے کی کوشش کی جو اب تک جاری ہے اور اس پر میں کبھی نہیں شرمایا۔ میں شاعروں ادیبوں سے کچھ نہ کچھ پچھتا رہا ہوں۔ بہت کچھ سمجھا۔ سیکھا بھی۔ لطیف الزماں خاں صاحب کا یہ کہنا کہ ”مجھے اعزاز ہے وہ برصغیر کے کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتے ہوں گے“۔ کچھ کچھ میں نہیں آیا۔ کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتا ہوں دو تین نام موصوف نے خود بھی لکھ دیئے ہیں میر نیاز عبدالحق ”یہ تینوں معتر اور مستعد ہیں ایسے لوگوں سے مراسلت پر غائب کوئی معترض بھی نہیں ہونے کا۔ میرے طالب علمانہ سوالات کے جواب دینا مرحومین کی عالمانہ اور ادیبانہ سخاوت تھی۔ سوال کا دوسرا نام تحقیق ہے میں نے اس میں تحقیق کو بھی شامل کر لیا تو اسے بھی ایک طرح اضافی کہنا ہوگا۔ اگر کریدے بچے گانہیں تو تحقیق مکمل نہیں ہونے پاتی۔ کریدے بچے پر بھی بہت سی چیزیں تکتی ہیں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ خاں صاحب ہی کے محبوب موضوع غالب کو لے لیجئے غالب کی کرید پر ایک صدی گزر چکی اس پر بھی ہنوز بیسیوں پہلو باقی ہیں۔ کرید ہنر ہے عیب کب سے ہوا۔ سب سے بڑے کرید بچے قاضی عبدالودود تھے۔ کرید کے میدان میں اور بھی بہت سے بچوں جاوے پچائی کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ میرا شمار محققین اردو میں نہیں ہوتا۔ جو لوگ فن کرید کے ماہر ہیں۔ خاں صاحب نے کبھی ان کی خبر نہیں لی۔ مجھ پر لٹھ لے کر دوڑنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ مشاہیر مصر سے فضول کی مراسلت بھی تو میں سمجھتا ہوں ایک اعزاز اور اصلاح حال کی ایک شکل ہے تو۔ دو تین نام تو بہت معجز ہیں۔ سہرناز عبدالحق۔ میں نے تو بہت سے اخلاقی اہلکار ادیبوں کے خطوط بھی سنجیدہ سنجیدہ کر رکھے ہیں۔ مجھے ان کے تحریری وجود سے سابقہ

رہا۔ وہ اتنی بوطلیں شراب کی ڈکار جاتے ہیں 'صنف' ناوک ہی نہیں صنف کرخت پر کیوں کر
 جھپٹے اور پٹے پائے جاتے ہیں اس کے بھی ہم نے محض لطف لئے ہیں اور بیانہ اور شاعرانہ
 عفت کے نقش ہمارے دل پر جھکا یا ہی سکے۔ رئیس امرہ وہی 'جون اٹلیا' سید محمد تقی 'جوش ملیح
 آبادی' رشید اختر ندوی 'مجید لاہوری' ثقلیل عادل زاوہ محمد علی صدیقی 'انور شعور اور سکتے چلے
 جائے شیعوں کا حاضر باش تو میں رہا ہوں۔ سینکڑوں سے خط و کتابت رہی ہے رہتی ہے۔
 کوئی عمل فرشتہ کوئی پارے کا چورا شیطان کہیں نہیں پایا جاتا۔ آدی تو آدی ہوتا ہے۔ خیر و شر کا
 مجموعہ نہیں مرقع۔ مجموعے اور مرقعے کا فرق خاں صاحب کران کو اہل زبان ہونے کا فزہ
 بھی ہے مجھ سے بہتر جان جائیں گے۔ "کیسے اور کن" سے مراد اگر ایسے دیسے لوگوں سے
 ہے تو میری مراسلت میری ملاقاتیں انہی ایسے دیسوں سے رہی ہیں رہیں گی۔ لطیف الزماں
 خاں کے نام مجھے یاد نہیں رہا۔ میں نے اتکا اور ایسا کیا کیا لکھا تھا کہ وہ زوج ہو گئے۔ ظاہر ہے
 میرے سوالات کی بھرمار ذاتی قسم کی تو رہی نہیں ہوگی۔ طالب علمانہ سوالات ہوں گے۔
 زوج تو وہ ہوتا ہے جس پر اس کی ملاجیتوں سے زیادہ کچھ لا دیا جائے۔ میں نے بہر حال
 خاں صاحب کو پروفیسر سمجھ کر ہی کچھ پوچھا ہوگا۔ ایک طرف تو غالب سے عشق کے دعوے
 ہیں اور میرے سوالات بھی بقول ان کے غالب ہی سے حعلق رہے تھے۔ تو وہ تو میں نے
 سنبھال کر رکھے بھی پاتی فضول کے مراسلے پھاڑ کے پھینک دیئے۔ اس سے ظاہر ہوا میں
 نے بطور ادیب کے خاں صاحب کو لیا ہی نہیں۔ میرا مسئلہ غالب رہا ہوگا غالب سے حعلق
 تحریریں تو محفوظ رہیں باقی ضائع ہو جانے کا چم کا خان صاحب کو سہنا پڑا۔ اب کچھ میں آیا وہ
 مجھ سے خفا تھا سے کیوں ہیں۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں 'خط مکتوب نگار نہیں مکتوب الیہ کی
 ملکیت ہے۔ پھر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور اگر آپ کے قلم سے کوئی ایسی دیسی بات نکل
 گئی ہے اور اس کا انفا مقصود ہے تو یہ بات قلم چلانے سے پہلے آپ کی عقل میں کیوں
 نہیں آئی۔ ہم تو یہ جانتے ہیں قلم اور زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ پرایا ہو جاتا ہے اور یہی بات اگر

کوئی بھولے سے خان صاحب کی زبان قلم سے نکل بھی گئی ہے تو اسے کارٹوپ کے ذیل میں لئے جانے میں حرج ہی کیا ہے۔ مجھ سے ان سے نہ تو ان کی عاشقی کے قصے زیر بحث آئے نہ خاتون خاند سے بچ اور جو تم بزار کا ذکر آیا نہ اولاد کی تا فرمائیں کی کوئی کہانی حضرت نے ہم سے چیمپڑی، بچپن، لڑکپن کے حوادث سے بھی ہمیں لاطم رکھا گیا۔ وہ جو ان کا کہنا میرا ان سے بے تکلف ہونے کا ہے تو جس شخص سے کبھی ملاقات ہی نہ ہوئی ہو۔ کاغذی ملاقاتوں میں کوئی کسی سے کہاں تک کھل سکتا ہے۔ میرا اب دلچسپ ہے کیا کردیائے کدھر کو جا رہا ہے بھی ظاہر ہے نہ رہا ہوگا دشمن کے پوتے وہ نہیں ہیں کہ ان پر عشق جماؤ جاتا، تاہم ایسے لوگ (ادیب اور شاعر) بھی موجود ہیں بچپن بچپن برسوں سے مراسلت چلی جاتی ہے۔ آتنا سامنا نہیں ہوا لیکن ہم ایک دوسرے کے لئے کھلی کتاب ہیں۔ دل میں جانے والی بات ہوئی نایہ۔ لطیف الزماں خاں میرا دور کا مطالعہ یہ ہے کہ بہت کچھ پات ہیں وہ بننے بہت ہیں آنکھ سے آنکھ ملانے والی کوئی بات ان میں نہیں پائی جاتی وہ ہر وقت سیاہ چشمہ چڑھائے رہتے ہیں۔ ایک انگریزی پڑھانے والے استاد اور غالب زدہ آدمی مولویانہ بیست کا شمار ہو جائے تعجب ہے۔ میں حسن ظن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ میں تو اب بھی لکھتا رہتا ہوں میں کبھی راہ و رسم توڑنے کا روادار نہیں رہا۔ تحریر میں شخصیت کو تلاش کرنے والا لطیف الزماں میرے خاکساری اور مستقل مزاجی کے جوہر کو نہ پاسا، انھوں نے میرے خطوط کو میسج اور کرید کے مرض کا شاعرانہ مولانا غلام رسول مہر کے مکاتیب کا مجموعہ ”خطوط“ اگر آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو تو اسے دیکھئے اور خاں صاحب کی ”صاحب نظری“ کا ماتم کیجئے۔ [انہیں عام حسین انجم مطلوبہ ماہنامہ خطوط افکار کراچی جون ۱۹۹۱ء]

آپ کا بیجا ہوا، بقلم خرو کا عکس مل گیا تھا میں ۱۲ جولائی کو انگلستان آ گیا اور

ابھی ۱۰-۱۲ دن یہاں اور قیام رہے گا اس لئے جواب نہ دے سکا تھا۔ آپ نے جو کچھ چھاپا ہے وہ بہت اہم ہے۔ مجھے آپ صرف اس خط کی فوٹو کاپی ازیر وکس کاپی بھیج دیں جس میں

موصوف نے لکھا ہے کہ طفیل صاحب مرحوم نے انہیں دس ہزار روپے دیئے تھے اس کے لئے آپ کا نہایت ممنون رہوں گا۔ جو شخص خود اس کردار کا ہو وہ دوسروں کی عیب جوئی کرے حیرت کی بات ہے۔ مگر میں نے صبر کر لیا اور معاملہ اس کے سپرد کر دیا جو ختم حقیقی ہے انصاف کرتا ہے علم نہیں کرتا و سب علم الذین ظلموا ایما منقلب ینقلبون

[ڈاکٹر عبدالرؤف نظاما نھیں ۱۳ جولائی ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں کے مکتوبی اقتباسات مجھے شائع کر کے آپ نے ایک چھوٹا نہیں بڑا کام کر دیا۔ دو چار ایک اسی مزاج کے ہر میدان میں اترا آئیں تو اردو کے مزاج میں برسوں سے رہتی ایسی منافقت و عمل کر صاف ہو جائے۔

[انھیں ۱۳ مئی ۱۹۹۱ء مکتوبہ مایہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۹۱ء]

”سید انھیں شاہ جیلانی کا“ لطیف الزماں خاں تقلم خود“ بھی خانے کی چیز ہے۔

[۱۳ مئی ۱۹۹۱ء مکتوبہ مایہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۹۱ء]

مئی ۱۹۹۱ء کے پرچے میں انھیں شاہ جیلانی کے نام لطیف الزماں کے خطوط کے طویل اقتباسات سے مرعوب ہونے والی شخص کی کہانی پڑھ کر مناسب سمجھا کہ آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کر اؤں کہ اس سے لطیف الزماں کی کردار شکنی کا زاویہ نمایاں ہوتا ہے۔ خان صاحب نے یہ خطوط ذاتی حیثیت میں لکھے اور کچھ وقت جیلانی شاہ کے اعتبار کو ملحوظ نظر رکھا۔ یہ خط اشاعت کے لئے نہیں لکھے گئے تھے۔ شاہ صاحب کو اگر ان کی اشاعت مقصود تھی تو اس کے لئے انھیں لطیف الزماں خاں سے اجازت لینی چاہئے تھے اور اس کا ذکر اس مضمون کے دیباچہ میں کرنا چاہئے تھا۔ یہاں مٹا راجہ صاحب کے اس قسم کے خطوط کا حال اس لئے ضروری نہیں کہ ان کی اشاعت کے بارے میں لطیف الزماں صاحب کا حسن عمل ”طلوع افکار“ میں سامنے آچکا ہے۔ لیکن یہ ایسا مثال نہیں جس کی انھیں شاہ جیلانی جیروی کر سکتے۔ اس متاع گراں مایہ کو شاہ صاحب اگر لطیف الزماں کی زندگی میں صرف

اپنے پاس محفوظ رکھتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا۔ ان کا یہ عمل مجھے اس لئے بھی اچھا نہیں لگا کہ خطوط کے اقتباسات سے خان صاحب کی یک طرفہ اور ضلی تصویر مرتب ہوتی ہے۔ جب کہ میرا خیال ہے کہ لطیف الزماں خود ہیں اور خامیوں کا دلاؤ دین مرقع ہیں۔ ان کی غالب دوستی بے مثال ہے۔ اپنی کی رشید احمد صدیقی سے عقیدت بھی لا جواب ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی شخصیت بنانے کی بجائے غالب اور صدیقی صاحب سے عقیدت پر قناعت کی اور انہیں باعزت و مکر مظهر عام پر لہانے میں اپنی زندگی کا حقیقی حصہ صرف کیا ہے۔ اس کے لئے وہ بے پناہ داد کے مستحق ہیں۔ ان کی ذاتی کمزوریوں پر یہ خوبیاں مجھے غالب نظر آتی ہیں۔ ادب میں ان کی لگن غیر معمولی ہے۔ ان کی پسند اور ناپسند بھی شدید ہے۔ چنانچہ ان کے معاصرین خوش ہونے کے بجائے ان سے ناراض رہتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ عام دنیا داروں کی طرح لوگوں کو خوش رکھنے کا فن نہیں جانتے اور اپنا تاثر بیان کرتے ہیں تو اس کے نتائج بھی بچھتے ہیں شام صاحب اگر اس شخصیت کا خاکہ لکھتے تو یہ ایک چیز بے دیگر ہوتی۔ لیکن اب ان خطوط کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ہاگ نجی خطوط میں بھی ڈیلا بھی سے کام لیں گے اور کچ کو زبان پر نہیں آنے دیں گے۔ نقصان کس کا ہوا؟ جیلانی شاد کا یا پوری ادبی دنیا کا؟

یہ تاثر میرا ذاتی ہے لیکن میں اس میں "طلوع افکار" کے قارئین کو شریک کرنے کا آرزو مند ہوں تاکہ ذاتی خطوط کی اشاعت سے قبل اُدبائے کرام مکتوب نگار سے اشاعت کی اجازت ضرور حاصل کر لیا کریں۔ (ادارہ طلوع افکار اپنے طور پر اس باب میں لطیف الزماں خاں سے رجوع ہوا تھا۔ ۷۷)

(۱۰۵) یہ [انور سدید، عام حسین، انجم سلیمہ، اہتمام طلوع افکار، گرامی، جولائی ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں خاں صاحب اور توفیق احمد امر دہوی کے سلسلے کا وہ مقالہ جو جناب ڈاکٹر احمد فاروقی نے تحریر کیا تھا وہ میں نے پڑھا۔ اتفاق سے جلال الدین صاحب جو اس رزمیہ و جوان غالب کا خط کتابت کے ایک ہیرو یا وکیل ہیں وہ بھی الزماں سے رہتے ہیں اور

میرے شاگرد بھی رہ چکے ہیں۔ 'طلوع انکار' کا وہ پرچہ جلال صاحب نے مجھے غالباً وہ بھی کچھ طرہ و ضات آپ کی خدمت میں بھیجیں گے۔

[مصلیٰ رضوی نام حسین، مخم مطبوعہ ماہنامہ طلوع انکار، کراچی، جولائی ۱۹۹۱ء]

کسی اور پرچے میں آپ نے کسی لطیف الزماں خاں کے بہت سے خط چھاپے ہیں جن میں ڈاکٹر احمد فاروقی اور بہت سے معاصرین کے بارے میں دل آزار باتیں ہیں۔ لطیف الزماں صاحب کی اولیٰ اہمیت سے میں واقف نہیں لیکن اگر ان کے خط اتنے اہم سمجھے گئے کہ شائع ہوں تو ان لوگوں کا جواب بھی ساتھ شائع ہونا چاہئے تھا جن کے تذکرے ان خطوط میں ہیں۔

[لطیف الزماں خاں صاحب کے مضمون "دیوانہ غالب" بخیر غالب" کا جواب جب ڈاکٹر ڈاکٹر احمد فاروقی صاحب کے قلم سے کتاب نما میں شائع ہوا تو ہم نے کتاب نما کے شکر یہ کے ساتھ اس مضمون کو اپنے یہاں نمایاں طور پر نقل کیا تھا۔ لطیف الزماں خاں صاحب کے انجس شاہ جیلانی کے نام خطوط "لطیف الزماں خاں بقلم خود" کی طلوع انکار میں اشاعت کا غالباً زیادہ فائدہ ڈاکٹر ڈاکٹر احمد فاروقی صاحب کو ہوا۔ کردار کشی کو ہم بھی برا سمجھتے ہیں لیکن حقائق سے چشم پوشی کی قیمت پر یہ سودا نہیں کرتے۔ اگر جواباً موصول ہونے والی تحریر شائع نہ کریں تو قصور وار۔ (مدبر)]

[حسن الرحمن فاروقی، نام حسین، مخم مطبوعہ ماہنامہ طلوع انکار، کراچی، ستمبر ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں کے خطوط (یعنی طلوع انکار) میں پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ یہ نجی خطوط ہیں امید ہے انجس شاہ جیلانی نے لطیف الزماں خاں کے اہانت لے کر ان کی اشاعت کرائی ہوگی۔ ان خطوط کو پڑھنے کے بعد میں اپنی رائے واضح لینے پر مجبور ہو گیا

میں تو جنوں اور اب غلط لگا رہے احساس ہے کہ کل فردوشوں کی فرستیں سے مزید پردہ اٹھائیں۔

(۸) آٹھواں [مصلحتی کریم حام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع النکاح کراچی ستمبر ۱۹۹۱ء]

(۱) جناب انور سدید کے ارشادات نظر نواز ہوئے جو لوگ احمد عدم کا کی کوٹا کوں
بہتے چھوٹے ہوں ہم کیا تاب لاسکتے ہیں تاہم یہ تو کہہ سکتا ہوں ہماری زبان اور قلم سے جو
کچھ نکل گیا ہے وہ ہمارا رہتا ہے وہ تو مشترک سرمائے کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

ہم آجئے کچھ سوئی ہو کر کیوں رہ گئے ہیں بلکہ ہم چھوٹی سوئی ہی چلے آ رہے ہیں ذرا ذرا سی
بات پر پوری پوری سطریں اڑا کر نقطے لگا دینے کی روش تو گویا روز ازل سے چلی آ رہی
ہے۔ انور سدید صاحب پورے پورے سلسلے بلکہ مکمل خطا گول کرنے کی دامن میں ہیں خط
مکتوب کی حکایت ہوتے ہیں۔ مکتوب کا حق حکایت کیوں کر جتا سکتا ہے اور اس تکلف
اور جھڑپ میں کون چڑے گا اس سے پوچھتا پھرے گا اگر ایسا ہی ہے تو قلم کو لگا دو بیٹا صاحب
قلم کا کام ہے۔ بے لگائی کی ایک حد تک ضرورت پڑتی تو رہتی ہے اور یہ کردار کشی کا یہاں
کیا قصہ ہے۔ لطیف الزماں خان ہیں خاتم تو نہیں وہ۔ مردانہ اور اویانہ کردار کشی سے ایک
خاص شغف خاں صاحب کو بھی ہے اور وہ اس میں خطرناک حد تک ڈوبا ہے۔ ایک گفتگو
یہ بھی ہے کہ ہم یورپ کے ہم پلہ ادبی اور سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے کیوں نہیں ہیں۔

بھائی آپ کے ہاں تحریر اور قلم پر چہرے ہی اٹتے ہیں۔ استفادے کی راہیں مسدود ہیں۔
یورپی فرانسیسی مکتبی ادبی رسائل و جرائد اور کتب میں آپ کو کافی اور عربیاتی ہی نظر آتی
ہے۔ کوئی نئی بات بھی تو پائی جاتی ہوگی۔ ہم ایک ایسے میں بدقوم ہیں بالکل کنوئیں کے
مچھلے۔ وہ بھی کبھی کبھار سورج کی روشنی کا مزہ چکھ لیتا ہوگا۔ ہمارا حال اس سے بھی بدتر
ہے۔ تھیلان قدم قدم چوہدری محمد حسین اب بھی موجود ہیں جنہیں منٹو جیسا رنگ جاں سے
تشریب کا قلم کا رنگ کا ہی نظر آتا رہا۔ زندگی بھر جب تک جئے منٹو پر ایک نیا ایک عذاب مسلط
ہو رہا ہے۔ ایک اور بات بھی لطف سے خالی کیوں رہی ہوگی اقدار اور

اخلاق کے پیمانے ہمارے ہی مرتب کردہ ہیں وہاں تو یہ تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود پیغام حضور ﷺ کے نام بھجا کر حق مناکحت لدا کیا اور یہاں کہیں ہماری بہن نبیؐ کچھ اس قسم کا اظہار کر گزرے تو اکثر و بیشتر بقول شاہد احمد دہلوی بھٹی گردن اُڑادی جاتی ہے۔ یہیں کے وہ غیور لوگ جو بات بات پر لٹے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لندن پہنچتے ہی اپنی بہن بیویوں کے ہوائے فریاد کو بخوشی برداشت کر لیتے ہیں اس کا مطلب ہے اچھائی برائی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہاں کی برائی یہاں کی اچھائی اور یہاں کی خوبی وہاں خرابی میں بدل جاتی ہے۔ فاصلے سٹ چکے ہیں۔ ذلث ایشیا بھی اب کے دن کا مہمان ہے بنوذر لڈا رڈر سے نچ نکلتا اب کس کے بس کی بات ہے۔ چوکی پہرہ اب کہیں کام نہیں دینے کا۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچی اور یہاں فضول کے قصوں میں ذاتی تحفظات کی مصیبتوں میں الجھایا گیا ہوں۔ قوت برداشت کا فقدان ہے۔ ہم فکر و فکر کے چاروںوں میں بے حد ذلیل اور بخیل ہیں۔ خط و کتابت ہو مضمون نویسی ہو اس میں انور صدیق صاحب کہتے ہیں لوگ ڈیڑھ میس کریں گے بالفاظ دیگر منافقت کریں گے۔ مگر کیوں؟ اب تو ہم صندوقوں کا سفر طے کئے گئے لیٹلے رکھے بغیر لکھنے کی طرح کیوں نہ ڈالی جائے وہاں تو عورتوں تک نے اپنے جنسی تجربات بھی پوری سچائی (ایمانداری نہیں) سے بیان کر دیئے اور یہاں علمی ادبی عام معاملات میں طرح طرح کی از جہیں ہیں۔ اصل بات صحت جو صلی اور ظریف و ظفر کی ہے۔ اپنے ہاں تو ایک ہزار سٹے کی حیات شعلی میں صلیہ کہیں کہیں نہیں پائیں اور باقی رہے اقبال تو وہ بچارے فرشتہ بنے ہوئے ہیں کیا کریں زیادہ حد اب۔

[انیس، نام صمیم، انجم مطبوعات، لاہور، طبع ۱۹۹۱ء]

طبع انکار دیتا ہے مگر پابندی سے نہیں ملتا یعنی جس شمارہ کو مجھ تک پہنچنا چاہئے وہی نہیں آتا۔ آپ نے کسی شمارہ میں سید انیس شاہ جیلانی کا مضمون چھاپا ہے وہ مجھے نہیں بھیجا۔ کسی شخص کے بارے میں بھی کوئی الزامی بات لکھی جائے تو اس شخص سے جواب دہی

نہ بھی طلب کریں۔ اطلاع تو دینی چاہئے۔ اس مضمون کے بارے میں بھی نہایت اختصار کے ساتھ اپنا بیان سمجھوں گا اسے شائع کرنا نہ کرنا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

[نثار احمد فاروقی نام حسین انجم مطلوبہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی اکتوبر ۱۹۹۱ء]

طلوع افکار کے تازہ شمارے میں ہنگے فاروقی کا خط شائع ہوا ہے یہ صاحب انگریزی کا مطالعہ بہت کرتے ہیں دشمنوں نے ان کے بارے میں یہی ہوائی ازار بھی ہے اور اسی لئے انگریزی نام ہنگے فاروقی رکھا گیا ہے ان کے کے کچھا احباب انہیں ہنگے فاروقی کہتے ہیں (Buckley) ان کے عظم و فضل کا یہ حال ہے کہ آپ نے عالم و جہد میں نعرہ بلند فرمایا کہ احمد مشاق لاہوری (یہ صاحب واقعی ہنگے ہیں اور اردو کے ہنگے ہیں فاروقی کی طرح انگریزی کے ہنگے یا ہنگے نہیں ہیں) فراق گورکھپوری سے بڑا شاعر ہے۔ فراق صاحب کا تو کچھ نہ بگڑا غریب احمد مشاق کا بیجا حرام ہو گیا اور یار لوگوں نے فی ہاؤس لاہور میں جنسنا دو بھر کر دیا۔

میں تو گوشہ نشین تھا اور ہوں آپ کے خطوط کے اقتباسات شائع کر دیے میرا کیا قصور۔ جس کا جیسا چہرہ تھا وہی سامنے آیا میرے محترم اور آپ کے صمد جناب نثار احمد فاروقی کی تصویر اگر میرے الفاظ سے بن گئی اور آپ نے شائع کرادی تو میرا نام کیوں لیا جائے۔ فوٹو گرافر جب تصویر بناتا ہے تو اس میں رد و بدل نہیں کر سکتا میں دل آزادی کا نہیں دلداری کا قائل ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ حقیقت ہمیشہ خلیج ہوتی ہے میں نے جس شخص کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے بہت غور و خوض کے بعد تجزیہ اور مشاہدہ کے بعد رائے قائم کی ہے۔

(Haukley) ہنگے فاروقی عرف ہنگے فاروقی کوڈاکٹر محمد حسن صاحب کے مضمون

میں ”لفظ بیانیات“ نظر آگئیں، لکھیے یہ ٹھہرا کہ جن صاحب کے بارے میں مضمون یا خط شائع ہو پہلے ایڈیٹر صاحب اس کا عکس متعلقہ شخص کو بھیجیں اور پھر ہمیں کہ کیوں صاحب میں یہ۔

مضمون یا خط شائع کروں اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ پھاڑ کے پھینک دے۔

[لطیف الزماں خاں کا نام انھیں ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۱ء]

یاری ہماری بھی تھی مرحوم طفیل سے وہ اللہ کو پیارا ہو گیا دوستی شاعر احمد فاروقی سے تھی وہ کچھ اور نکلے۔ [لطیف الزماں خاں کا نام انھیں ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء]

(ب) اس شمارے میں ایک خط میرے دوست ڈاکٹر انور سدید کا شائع ہوا ہے۔
درباب لطیف الزماں خاں فرماتے ہیں:

(۱) خان صاحب نے یہ خطوط ذاتی حیثیت میں لکھے تھے اور لکھتے وقت انھیں شاہ جیلانی کے اعتبار کو ملحوظ نظر رکھا۔ یہ خطوط اشاعت کے لئے نہیں لکھے گئے تھے۔

(۲) جب کہ میرا خیال ہے کہ لطیف الزماں خودیوں اور خامیوں کا دلاؤ وین مرتع ہیں۔ ان کی غالب دوستی بے مثال ہے۔ ان کی رشید احمد صدیقی سے عقیدت بھی لا جواب ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی شخصیت جتانے کے بجائے غالب اور صدیقی صاحب سے عقیدت پر قناعت کی۔“

میرے خیال میں اس قسم کی تشویش صرف ایسے معصنین کو ہونی چاہئے جن کے ذاتی خطوط اور مطبوعہ تحریروں میں تضاد پایا جاتا ہو۔ اب اُسے کیا کہا جائے کہ ادب میں اعتبار مکتوب نگار کا دیکھا جاتا ہے مکتوب الیکٹرانک نہیں۔ ہماری ادبی تاریخ شاہد ہے کہ وہی خطوط کلاسک بنے ہیں جو ذاتی حیثیت میں لکھے گئے ہیں۔ اشاعت کے لئے لکھے جانے والے خطوط بشمول مکتوب ہند اگر ادبی ہوتے بھی ہیں تو کلاسیک نہیں بن پاتے۔

لطیف الزماں خاں نے اچھا کیا اپنی ادبی شخصیت نہیں بتائی ویسے اس کی مثال منحصر بہ فرو نہیں ہے۔ ان کی غالب دوستی بے مثال کسی طالع کے انکار کے صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مشفقہ نسوۃ وچان غالب کی مشفقہ دریافت کی رہن موت ہے۔ رشید احمد صدیقی سے ان کی عقیدت لا جواب کسی لیکن رشید احمد صدیقی کی تصانیف کی تدوین و

ترتیب کا کام ان سے بہتر پروفسر نظیر صدیقی نے کیا ہے اور وہ بھی اپنی ادبی شخصیت کو قربان کئے بغیر۔ لطیف الزماں خاں نے اپنی ادبی شخصیت کو قربان کر کے رشید احمد صدیقی سے اپنی عقیدت کا اظہار کر کے تواچھا کیا لیکن اس طرح ان کو یہ حق کیونکر حاصل ہو گیا کہ وہ آل احمد سرور جیسے عالی مرتبت ادیب و ناقد کے لئے ”جھوٹے“ جیسا ناٹا سنت لفظ استعمال کریں۔ میں تو بالکل غیر جانبدار آدمی ہوں بلکہ میرے دوست مجھے طعنہ دیتے ہیں کہ تم آل احمد سرور سے اختلاف کر کے ناقد بن گئے ہو مگر میری نسل کا کون سا ناقد ہے جو آل احمد سرور کے قرض سے سکدوش ہو سکتا ہے۔ ایسا لکھنے والا (لطیف الزماں خاں) کیا ڈاکٹر انور سدید کی توجہ کا مستحق ہے کہ ”عام دنیا داروں کی طرح لوگوں کو غرض رکھنے کا فن نہیں جانتے“ ۱ اگر لوگوں کو غرض رکھنے کا فن نہیں جانتے تو ذاتی خطوط کی اشاعت پر اتنا دواویا کیوں؟ ابتدا لطیف الزماں خاں نے کی تھی۔ ثار احمد فاروقی بالکل حق بجانب تھے اپنے مقروض کے خطوط کو نقل کرنے میں۔ اگر بیاض غالب کو ثار احمد فاروقی نے نہیں بلکہ لطیف الزماں خاں نے جناب محمد ظہیر مرحوم کے حوالے کیا تھا تو بھی اپنی ادبی شخصیت ذر رکھنے والے لطیف الزماں خاں کو ثار احمد فاروقی کی ادبی حیثیت کا پاس رکھنا چاہئے تھا۔ اس اصول کے مطابق جو میرے عزیز دوست ڈاکٹر انور سدید کے خط میں موجود ہے۔

[محمد رضا کاظمی، نام حسین انجم، مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار، کراچی نومبر ۱۹۹۱ء]

انجمن میں محسن الرحمن فاروقی، انیس شاہ جیلانی اور شاہد حسین کے خطوط پرانی

بحث سے مربوط ہوتے ہوئے بھی نئی بحث کے ذرا کرتے ہیں۔

[شہید احمد قادری، نام حسین انجم، مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار، کراچی نومبر ۱۹۹۱ء]

کئی سال گزرے فاروقی صاحب تحریف لائے تھے میں ان کی خدمت میں

حاضر ہوا انہوں نے پچاسے سے انکار کر دیا۔ میری ان سے لڑائی نہیں ہے ایک بات کا دکھ

ہے بلکہ سینے میں داغ ہے۔ ثار احمد فاروقی صاحب کو میں نے دو ہزار روپے مرحومہ خالہ

صاحب کے لئے بھجوائے تھے انہوں نے چند روپے تو بھیجے باقی ہضم کرنے کے لئے ذرا سوچنے پر وہ اور ضیفہ کی رقم انہوں نے ہتھیالی وہ مجھ سے کہتے ہیں ان کے لئے دس ہزار کا انتظام کرونا لیکن انہوں نے مرحوم خاں صاحب کے ساتھ ظلم کیا۔ دلی میں اگر وہ مل گئے تو ضرور مل لوں گا۔ ۸۹ء میں لاہور میں قاضی صاحب کے دفتر میں مل گئے میں ان کے ساتھ گیا طفیل صاحب مرحوم کے گھر ساتھ کھانا کھایا مگر وہ میرے مضمون کو برداشت نہیں کر سکے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا۔ بیگم طفیل سے تردید نہیں کر سکے کہ انہوں نے مرحوم طفیل صاحب سے میری اور بیگم طفیل کی موجودگی میں انہیں ہزار روپے لئے اس میں سے چھ ہزار مالک مخطوط کے اور آٹھ ہزار مالک رام صاحب کے لئے تھے کسی کو ایک پیسہ نہ دیا میں نے جب یہ سب کچھ لکھ دیا تو وہ اوجھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔

[الیف ارباں خاں عام نمبر ۱۳ نومبر ۱۹۹۹ء]

میں نے اپنے ذرائع سے عکس حاصل کئے اور طفیل بھائی کو دئے "محترم ڈار احمد فاروقی صاحب نے بھی مخطوط کی زبردستی میرے لئے اپنے بچا کو بھیجی جو میں خود جا کر ان کے گھر سے لایا مگر اس وقت تک نقوش غالب نمبر ۲" "بیاغی غالب بخت غالب" کے عنوان سے چھپ چکا تھا۔

اگر فاروقی صاحب طفیل صاحب مرحوم کو عکس بھیجنا ہی چاہتے تھے تو براہ راست بھیج سکتے تھے انہوں نے بھی ایک خط اپنے کسی مضمون میں نہیں لکھا وہ لکھ سکتے تھے کہ عکس انہوں نے طفیل صاحب کو فراہم کئے ان کی کتاب تلاش غالب دیکھئے اس میں ایک مضمون ہے مگر کہیں یہ نہیں لکھا کہ عکس انہوں نے فراہم کئے۔ نقوش کے تازہ شمارے میں جو خط شائع ہوا ہے اس میں بھی وہ یہ لکھ رہے ہیں کہ عکس میرے لئے بھیجے ہیں۔

ظہور انکار کے تازہ شمارے میں ان کا خط شائع ہوا ہے کہ آپ نے میرے خطوط کے اقتباسات سے مضمون بنالیا اور مجھ کو ابواب وہ پھر انہی سیدھی ہاتھیں کے وہ ایک

بات کی تردید نہیں کر سکتے نہ معلقہ حضرات سے کرا سکتے ہیں مجھے گا لیاں ضرور دے سکتے ہیں اور میں گالیوں کا جواب نہیں دیا کرتا اور شان میں اور مجھ میں فرق کیا رہے گا۔

[لطیف لڑائی خاں، ص ۱۳، نمبر ۱۹۹۱ء]

آج کل وہ یہاں آئے ہوئے ہیں اور ایسے ذمیت ہیں کہ مجھ سے ملنے بھی آئے میں نے آپ کے مضمون کے حوالے سے پوچھا کہ آپ نے محمد طفیل سے کس بات کی اجرت وصول کی تھی؟ کیا یہ امانت میں خیانت اور کھلی ہوئی بے ایمانی نہیں ہے تو کہنے لگے کہ انہوں نے صرف پیش کش کی تھی۔ اس لئے جس خط کا میں نے مطالبہ کیا تھا اس کی نقل رکھنا ضروری ہے اور اس کا ایک ٹکس آپ جاوید طفیل کو بھی بھیج دیجئے گا۔ اب وہ مرحوم محمد طفیل تو ہیں نہیں وہی تصدیق کرتے میرا گمان یہ ہے کہ اس شخص نے ان سے اجرت یہ کہہ کر لی ہوگی کہ مجھے سمجھنی چاہئے گی میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا بے غیرت انسان نہیں دیکھا جو خود بھوٹ بولے اور دوسروں کو بھوٹا بتائے۔ خود پکا بے ایمان ہو اور دوسروں کی بے ایمانی کا ہواڑا پھوڑنے کا دعو کرے۔ یہ شخص شاید عقل سے بھی بیڈل ہے اگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتا تو کبھی یہ گندگی نہ اچھالتا جس کا ادب سے یا علمی موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ خیر اللہ عظم حقیقی ہے میں نے یہ سارا معاملہ یوم الحساب کے لئے اٹھا رکھا ہے شاید آخرت میں میرے کام آجائے۔ سو الوزن یوم مقبہ الحق۔

[شمارہ فاروقی، ص ۴، نمبر ۲۵، فروری ۱۹۹۲ء]

میں تین ماہ ہندوستان میں گزار کر ۱۳۲۲ھ پر عیثی کو پہنچا جب یہاں سے گیا تھا تو ایک کرم فرما کا حکم تھا کہ دلی میں شمار احمد فاروقی صاحب سے مل لوں دلی پہنچا تو کئی اصحاب حاضر ہوئے۔ چنانچہ میں فاروقی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ملنے آیا ہوں وہ مشتعل ہوئے اور فرمایا کہ: ”انہیں شاہ جیلانی سے میں نے تمام اور بیکل مخلوط تمہارے منگو لئے ہیں تم نے طفیل صاحب سے دس ہزار روپے لئے تھے۔“

میں نے کبھی ایسا کوئی جملہ آپ کو نہیں لکھا اس لئے کہ اس میں کوئی صداقت نہیں ہے اگر ایسا جملہ میرے کسی خط میں ہوتا تو اُن اقتباسات میں ضرور ہوتا جنہیں آپ نے قطع و برید کر کے مضمون کی شکل دے دی تھی۔ میں تو چاہتا تھا کہ یہ بنا کو اور صورت حال ختم ہو لیکن اگر فاروقی صاحب آپ کا نام لے کر انعام و اتہام لگائیں گے تو مجھے اپنے بچاؤ کے لئے سوچنا پڑے گا۔ [لطیف الزماں خاں نظام انہیں ۲۳ اپریل ۱۹۹۲ء]

میں ۱۲۱ اپریل کو دلی سے واپس آیا۔ ۱۲۳ اپریل کو آپ کو خط لکھا کہ دلی میں محترم ڈاکٹر احمد فاروقی صاحب نے ملاقات کے دوران فرمایا کہ انہوں نے آپ سے میرے اور بیکل غلطو متکوارے ہیں کہنے لگے کہ جو کچھ آپ نے لکھا وہ میں نے معاف کیا لیکن ایک بات معاف نہیں کر سکتا کہ طفیل سے دس ہزار روپے لئے ہیں۔ میں نے کبھی ایسی کوئی بات آپ کو نہیں کہی اگر کبھی ہوتی تو آپ نے جہاں اقتباسات میرے غلطو سے شائع کئے تھے ان میں لانا آتی۔ اب آپ میرانی فرما کر برا ہیسی ڈاک لکھنے کو اصل قصہ کیا ہے۔ پہلی بار ایسا ہوا ہے آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا اگر آپ نے اب بھی میرے خط کا جواب نہ دیا تو میں کبھی کسی خط کے جواب دینے سے قاصر رہوں گا۔

[لطیف الزماں خاں نظام انہیں ۲۳ مئی ۱۹۹۲ء۔ میرے پاس جو کچھ قصہ اور جگہ گزرتا ہوا] جس مکتوب کی نقل کے لئے میں نے لکھا تھا اس کا حوالہ آپ کا مضمون دیکھ کر پھر کبھی بھولوں گا۔ آپ کے مضمون سے یہ بہت بڑا راز فاش ہوا کہ اس ذلیل انسان نے میری سبھی ہوئی امانت طفیل صاحب سے دس ہزار روپے لئے کہ ان کو دلی پھر بھی مجھے چرہ اور جھوٹا بتا رہا ہے۔ دنیا میں بے ایمان تو بہت ہیں مگر اتنا بے غیرت اور ذلیل انسان تو شاید چراغ لے کر ڈھونڈیں تو ملے گا۔ بہر حال اس سے اُسے حاصل کیا ہوا؟ چاہے کن راجہ اور رئیس۔

[ڈاکٹر احمد فاروقی نظام انہیں ۱۱ جولائی ۱۹۹۳ء]

ایک خط میں آپ نے دیوان غالب کے کلمے کے بارے میں درج ذیل کیا تھا کہ

لطیف الزماں خاں نے اسے طفیل مرحوم سے کیوں چھپایا اور کیوں پیش کر دیا بھائی میں نے لطیف الزماں خاں کی پست فطرتی کے باوجود انہیں معاف کر دیا تھا مگر آپ کے نام کا جو خط طلوع افکار میں شائع ہوا تھا اس سے مجھے پہلی بار یہ علم ہوا کہ اس کہنے انسان نے عکس کے لئے طفیل مرحوم سے دس ہزار روپے وصول کئے حالانکہ میں نے وہ عکس طفیل مرحوم کو بلا قیمت محض بطور ہدیہ دوستانہ بھیجے تھے اور انہیں یہ لکھا تھا کہ انہیں استعمال کر کے فوٹو لطیف الزماں کو دے دیئے جائیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ شخص اتنا گھنیا ہے کاش یہ بھانڈا طفیل مرحوم کی زندگی میں پھوٹ گیا ہوتا۔ یہ شخص دہلی آیا تھا یہاں تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی مگر اب میں نے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے آخرت پر اس کا ایمان نہ ہوگا مگر الحمد للہ میرا ایمان ہے کہ وہاں سب حساب کتاب صاف ہو جائے گا۔ [ڈرامہ فاروقی ناٹم انٹرنیشن ۱۵ دسمبر ۱۹۹۳ء]

کیا کتاب لکھی ہے آپ نے کہ پڑھنا شروع کریں تو ہاتھ سے چھوٹی نہیں کئی^(۱) خاکے ایک ہی نشست میں پڑھ لیے کچھ پس انداز کر لئے پڑھ کر حیرت آیا چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی چیمکی باتیں کہی ہیں اس ملاتی کہنے کا خاکہ بھی لکھئے تاکہ سرمایہ ہجرت اور سرمہ بصیرت ہو۔ [ڈرامہ فاروقی ناٹم انٹرنیشن صول ۱۲ جون ۱۹۹۴ء]

تیسرا خط ۱۳ دسمبر ۱۹۹۵ء کا ۱۵-۲۰ دن قبل ملا ہے جس میں آپ نے دیوان غالب (نسخہ امرہ ہد) ایڈٹ کرنے کی بشارت دی ہے مبارک ہو۔ مگر میرے بارے میں اس میں جو کچھ لکھا جائے وہ اگر مجھے اشاعت سے قبل دکھالیں تو اخلافاً بہت اچھا ہوگا۔ جہاں تک ملاتی خنزیر کا تعلق ہے میں اسے اتنی اہمیت دینا غلط سمجھتا ہوں کہ دیوان غالب کی بحث میں اس کا نام آئے آگے آپ کو اختیار ہے۔

[ڈرامہ فاروقی ناٹم انٹرنیشن ۱۲ فروری ۱۹۹۶ء]

۱۔ یہ میرے قلم کردہ خاکوں کے مجموعے "آدنی قیمت ہے" کا ذکر ہے لیکن جہاں کتابی کے بقراء لیکن مرزا تو کہتے ہیں تم کیا جانو خاکہ نگاری۔ انٹرنیشن ۲۰۰۲ء۔

دیوانِ غالب بظہرِ غالب

(گزشتہ اشاعت)

جاوید ظفیر

غالب جنوری ۱۹۸۹ء میں محترم لطیف الزماں خان ملتان سے لاہور تشریف لائے اور حسب سابق ہمارے ہاں ٹھہرے۔ انہوں نے اپنے قیام کے دوران اپنا ایک مضمون ”دیوانِ غالب بظہرِ غالب“ (زوداد اشاعت) مجھے عنایت فرمایا تھا۔ میں نے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد اس کی اشاعت کے سلسلہ میں اپنی معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ جناب لطیف الزماں خان کا وہی مضمون بعد میں ”طلوع افکار“ کراچی کی زینت بنا اور یوں سوال و جواب کا ایک لائقِ ملاحظہ شروع ہو گیا۔

اگرچہ یہ بات میرے لئے خوشگوار نہیں ہے کہ ایسے معاملات زیر بحث آئیں جو دوستوں کے درمیان رہے ہوں لیکن اب صورت حال کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف جناب لطیف الزماں خان مورچہ زن ہیں اور دوسری طرف جناب ثناء احمد فاروقی جوابات درخ رہے ہیں۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ والد محترم کے دوست اس فضول بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔ تحریری جنگ اتنی آگے بڑھ چکی ہے کہ مجھے اپنی خواہش کے برعکس خطوط کا وہ نغزانہ کھنگالنا پڑا جو مجھے درد میں ملا تھا۔

جناب لطیف الزماں خان کے ارشادات سے متعلق اہم نکات میں نے اُن کے مضمون سے لئے ہیں جو ”طلوع افکار“ میں چھپا تھا۔ میرا انتخاب صرف اُن نکات پر مبنی ہے جن کا تعلق ”دیوانِ غالب بظہرِ غالب“ سے ہے۔

جناب ثناء احمد فاروقی صاحب کا موقف مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے غرض نہیں کیا جا رہا کیونکہ اُن خطوط کے چھپنے کے بعد جو اس مضمون کا حصہ ہیں میرے خیال میں

جناب ثار احمد فاروقی کا موقف چھاپنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

خطوط میں سے پہلا خط جناب ثار احمد فاروقی کا ہے جو والد المحترم کے نام ہے اور بقیہ تمام خطوط وہ ہیں جو کہ جناب لطیف الزماں خاں نے ”دیوان غالب بظن غالب“ کے سلسلے میں جناب ثار احمد فاروقی کو لکھے تھے۔ وہ تمام خطوط جن کا تعلق بیاض غالب سے ہے۔ قارئین اور مستقبل کے مؤرخ کی نظر میں تاکہ وہ ان کی روشنی میں اپنی درست رائے مرتب کر سکیں۔ میں نے یہ ناخوشگوار کام اس لئے سر انجام دیا ہے تاکہ نقوش ”دیوان غالب بظن غالب“ سے متعلق معاملات کے سلسلہ میں ہم صحیح تک پہنچ سکیں اور اس طرح یہ ناخوشگوار بحث ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

دیوان غالب بظن غالب (رودادِ شاعت)

از: لطیف الزماں خاں

* ۱۵ اپریل ۱۹۶۹ء کو توفیق احمد قادری امر دہوی نے بھوپال کے ایک کتب فروش شفیق الحسن سے بیاض غالب کو گیارہ روپے میں خریدا اور ۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو روزنامہ ”الجمیعت دہلی“ میں اشتہار دیا کہ اس کے پاس غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان موجود ہے اور اس کی قیمت چھ ہزار روپے ہے۔ ۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو ہندوستان میں شائع ہونے والے کئی زبانوں کے اخبارات میں بڑی تفصیل سے یہ خبر شائع ہوئی کہ غالب کے قلم سے لکھا ہوا مسودہ جس میں تقریباً ایک ہزار اردو غزلیات، ۱۳ فارسی کی اور گیارہ رباعیات اردو کی موجود ہیں دریافت ہوا ہے۔

* میں نے اپنے ایک عزیز کو جو علی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ میرے لئے ”دیوان غالب بظن غالب“ خریدیں۔

* میں یک روز لاہور گیا میرا قیام ظلیل مرحوم (مدیر نقوش) کے گھر ہوتا تھا اس دن ظلیل صاحب دن بھر مغموم رہے۔ سہ پہر کو کہیں نہ گئے۔ گھر پہنچے۔ کھانا کھایا۔ رات گزار دی رہی۔ ظلیل صاحب نے بات کر کے سوئی۔ جب رات کے دو بج گئے تو میں نے مرحوم سے کہا ”تصور نہ بتائیے صرف معاف کر دیجئے میرا خیال تھا نادانگی میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ ظلیل صاحب نے حکم کے نیچے سے ایک خط نکال کر دیا یا اکبر علی خاں کا خط تھا۔

* میں نے غصہ پڑھ کر کہا ”یار ظلیل صاحب آپ کی خاموشی نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔ صبح سے چپ سا رہ رہی ہے۔ بول کر نہیں دیتے۔ بتائیے اس خط کو میں آپ کو یہ دیا ان فرائم کر دوں گا۔

* جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے ”دیوانِ غالب بخلاف غالب“ نہیں خریدا تو میں نے انہیں نہایت سخت اور درشت لہجے میں خط لکھا۔ وہ دلی گئے تین دن کی سلاشی جستجو کے بعد وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی نے دیوانِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ بنوائے تھے اور اسے ایک چھوٹی سی دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو اخبارات کے ذریعے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ قیمتی چیز ہے ان صفحات کو میرے عزیز نے منہ ماتھے دامنوں خریدا اور ایک بڑی بی کے ہمراہ مجھے بھیج دیا۔

* جب مجھے فوٹو اسٹیٹ ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن ظلیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ میں یونیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور سید باقر رضوی صاحب سے ملنے چلا گیا۔ وہاں پڑا اکبر فرمان فتح پوری بھی تشریف فرما تھے۔ باقر صاحب نے مجھے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا۔

* فرمان بھائی یہ غالب کا دیوانہ ہے۔ اس کی اچھی کھولے ضرور غالب پر کوئی تحریر ملے گی۔ ہم تینوں دیر تک بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اور فرمان صاحب انجمن کے لئے ٹانگہ میں سوار ہوئے۔ راستہ میں فرمان صاحب نے یہ چما: ”کیا باقر صاحب کا اندازہ

ٹھیک ہے۔ کیا اٹیچی میں غالب پر کوئی تحریر ہے؟“ میں نے اٹیچی میں سے لفافہ نکالا اور ”دیوان غالب بنظر غالب“ کی فوٹو اسٹیٹ کا پیاں دکھائیں۔ وہ بہت حیرانی اور استعجاب سے ان اور ان کو دیکھتے رہے۔ باقر صاحب کو داد دی اور پوچھا ”اب کیا ارادہ ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ میں نے طفیل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوان انہیں فراہم کروں گا وہی اسے شائع کریں گے۔

* میں نے دوسرے دن طفیل صاحب کو فون کیا اور اطلاع دی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش تھی وہ آگئی ہے۔ طفیل صاحب نے کہا ”تم آتے ہو یا میں آؤں؟“ میں نے عرض کیا ”آپ ہی آئیے میں تو کل واپس آیا ہوں اور ہر روز بھٹی نہیں مل سکتی۔“

* طفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا کہ طفیل صاحب کے ساتھ وہ بھی کھانا تناول فرمائیں جو حضرات بی ۱۳۹ اگل گشت مٹان میں شریک ہوئے۔

۱ پروفیسر غنی راحمہ شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج مٹان

اب (سیکرٹری مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد)

۲ مسعود اشعر رینے پلینٹ اڈیٹر سروڈ مٹان

اب (۱۱۳ رچنا بلاک اقبال ٹاؤن لاہور)

۳ سلطان صدیقی ایڈیٹر وکٹ مٹان

۴ ایک بچہ نور علی کلرک

* دوپہر کے کھانے کے بعد چاروں حضرات کی موجودگی میں وہ لفافہ طفیل صاحب کے سامنے رکھ دیا جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔

* اب میں اور طفیل صاحب پھر باہر تھیں کرنے گئے ”خط فکست کو پڑھے گا کون؟“

طفیل صاحب نے پوچھا۔

* میں نے کہا اس کو میں خوش خط لکھ دوں گا آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے۔

* ایک دن طفیل صاحب کا فون آیا کہ وہ تلاش غالب میں شامل ”دیوان غالب بظہر غالب“ کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں جس میں دیوان غالب شائع ہونے والا تھا۔ ظاہر ہے ثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ”تلاش غالب“ میں چھپا رہا تھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھجوا چکے ہیں۔

* ثار احمد فاروقی کا مضمون ”دیوان غالب نسخہ امروہہ“ میں نے پریس سے حاصل کر کے طفیل صاحب کو دیا۔ رات کو حسب معمول میں اور طفیل صاحب دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جب معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے۔

* طفیل صاحب نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معروضات یافت بیاض غالب شمارہ نمبر ۱۱۱۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کر چکے تھے کہ ایک روز ثار احمد فاروقی کے چچا امیر احمد فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آؤ۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ میں ان کے گھر کے ۵۶ پرانی انارکلی لاہور پہنچا تو امیر احمد فاروقی صاحب نے ”دیوان غالب بظہر غالب“ کے فوٹو اسٹیٹ اور ایک فلاسک جس پر غالب کے اشعار معروض رکھے گئے تھے اور جس کی نقل بعد میں لاہور میں کسی نے تیار کی۔ دونوں چیزیں میرے سپرد کیں۔

* نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معروضات یافت بیاض غالب بظہر غالب کا ایک نسخہ چھپنے کے بعد طفیل صاحب نے مجھے بھیجا اور پہلے طے پر لکھا تھا:

برادر مہربان لطیف الزماں خان صاحب کی خدمت میں

جن کا عشق

اس نمبر کے چھاپنے میں بہت کام آیا

محمد طفیل

دہلی کا کالج، جمیری گیٹ، دہلی۔ ۶ ڈاکٹر احمد فاروقی نام محمد طفیل

۱۲۷ ستمبر ۱۹۶۹ء

برادرِ مکرم۔ تسلیمات۔ میں نے دو ماہ قبل آپ کو خط لکھا تھا کہ اگر آپ دہلی تشریف لائیں تو میں کوشش کروں گا کہ دیوان کا ٹکس آپ کو مل جائے اور اس کی بچھے امید تھی۔ لیکن ظاہر ہے جو چیز میری اپنی نہیں ہے اس کے لئے میں قطعی وعدہ نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے لکھا کہ میرا خط پا کر آپ دینہ کے لئے درخواست بھیج چکے ہیں۔ میں منتظر رہا کہ آپ آج آئیں۔ نکل آئیں۔ مگر آپ نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔ خدا جانے آپ نے کیا سوچا ہوگا۔ اگر ذہن میں کوئی فائدہ نہیں ہے تو وہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک آپ سے ملاقات نہ ہو اور اس دیوان کا قصداً تاخیر ہے کہ میں لکھ نہیں سکتا۔ پورا دفتر درکار ہے۔ یہ تو کبھی نہ پانی ہی نہ لایا جاسکتا ہے۔ مختلف حضرات مالک کو بہکانے اور بے وقوف بنانے میں پوری طرح سرگرم عمل ہیں اور بعض نے تو سطحی اخلاق اور پست کرداری کا مظاہرہ کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کی۔ میرا ہنداسے یہ خیال تھا بلکہ خواہش تھی کہ کسی طرح اس کی نقل یا ٹکس آپ تک پہنچ جائے لیکن میں آپ کی ملاقات مالک سے کرنا ضروری خیال کرتا تھا۔

بہر حال اب صورتحال یہ ہے کہ میں نے نقوش کے غالب نمبر حصہ دوم کے لئے وہ ٹکس حاصل کر لیا ہے۔ میں تین ہفتے کے لئے حیدرآباد چلا گیا تھا اور ابھی ۲۳ کو واپس آیا ہوں۔ اس سفر سے پہلے کوئی ایسا جانے والا نہیں ملا جس کے ہاتھ بھیج دیتا۔ اب میرے ایک بزرگ عزیز یہاں سے پہلی تاریخ کو روانہ ہو کر دوسری کو لاہور پہنچیں گے۔ انہیں میں نے ٹکس دے دیا ہے اور آپ کا پتا بھی بتا دیا ہے۔ یہ میرے بچا ہیں۔ آپ سے وہ گھر آیا

نقوش کے دفتر آ کر ملیں گے اور دیوان کا ٹکس آپ کو دے دیں گے۔ اس کے صفحات کے نمبر برعکس کی پشت پر موجود ہیں آپ اسی ترتیب سے اُسے جمع کر کے صرف ٹکس چھاپ دیجئے اور ابتداء میں ایک صفحہ پر ”دیوانِ غالب نمبر“ امر وہ“ لکھ کر نیچے ”عطیہ“ اور میرا نام لکھوا دیجئے۔ یہاں دو حضرات نے اس کا ٹکس اور حاصل کر لیا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے غالب نمبر حصہ دوم میں پہلے چھاپ دیں۔ کتابی صورت میں یہ بعد کو شائع ہو گا۔ اشاعت کے بعد یہ تصاویر آپ لطیف الزماں صاحب کو دے دیں۔ یہ دراصل انجی کے لئے ہیں۔ جب یہ ٹکس آپ کے قبضے میں آ جائیں تو آپ مجھے فوراً مطلع کریں اور یہ بھی ضرور بتائیں کہ غالب نمبر حصہ دوم کب تک مارکیٹ میں آ جائے گا۔

آج کل حکومت پاکستان نے کتابوں اور رسالوں کی برآمد پر پابندی لگا دی ہے اس لئے پاکستان کا کوئی اخبار یا رسالہ یہاں دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے۔ آپ یہ پرچہ جلدی سے لطیف الزماں صاحب کو بھیج دیا کیجئے۔ وہ محفوظ رکھیں گے اور جب یہ قانونی دشواریاں دور ہوں گی میرے پاس بھجوا دیں گے۔

اس خط کے جواب کا سخت انتظار رہے گا۔ چچا صاحب آپ سے دوسری یا تیسری اکتوبر کو ملیں گے۔ جس دن وہ ملیں اسی دن خط لکھ دیجئے گا۔

والسلام

ٹاٹا صاحب فاروقی

نوٹ: برادرِ اکرام غالب نمبر حصہ ۲ کی اشاعت سے پہلے ٹکس کے حصول یا نمبر میں شمول کا حال بخفی سے سید ملا میں رکھئے گا۔ وہاں کے ادبی حلقوں میں یہ پہلے سے معلوم نہ ہو۔ اس کی بہت زیادہ تاکید ہے۔

لطیف الزماں خان بنام شاعر احمد فاروقی

لطیف الزماں خان

ایم اے

پنچھار شعبہ انگریزی

گورنمنٹ کالج۔ ملتان

۱۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء۔ دس بجے شب

محبت گرامی۔ سلام مستون۔ مدت سے آپ نے یاد نہیں فرمایا۔ ہر لمحہ آپ کے کرم نامہ کا منتظر ہوں۔ میں نے آپ کو ۱۸ اگست ۱۹۶۲ء ۱۲ ستمبر اور ۱۶ ستمبر کو کراچی سے خطوط لکھے۔ ۱۹ ستمبر کو یہاں سے ایک خط لکھا۔ آج تک یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ خطوط آپ کو ملے یا گم ہو گئے۔

۱۳ اکتوبر کو قبلہ چچا جان کا خط ملا کہ ۱۵ اکتوبر کو لاہور جا کر ان سے نیاز حاصل کروں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی اور وہاں گیا۔ صبح کو ناشتہ ان کے ساتھ کیا۔ مندرجہ ذیل کتب و رسائل انہوں نے عنایت فرمائیں۔

- (۱) طبع حیات (غالب نمبر) (۲) شگوفہ (غالب نمبر) (۳) شاعر (غالب نمبر)
- (۴) احتیاد یہ حصہ اول و دوم (غالب نمبر) (۵) اردو ادب (غالب نمبر) (۶) عیار غالب
- (۷) جامعہ (غالب نمبر) ایک للیپک جس پر غالب کے اشعار ہیں اور ٹکس۔

چچا جان کے ہاں سے واپس آیا تو دن بھر نہ گھنٹی گيا اور نہ کوئی کام کیا۔ بس اس دولت کو دیکھتا رہا کہ جس کے مقابلہ میں قارئین کے خزانہ کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ شکر یہ کہ لفظ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ وہ میرے جذبات کی ترجمانی نہ ہوگی۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہی اس کا اجر آپ کو دے گا۔

(۳) ولید میر صاحب سے ملا۔ نگارشات سے علیحدہ ہونے کے بعد ان کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں رہی۔ پھر ان کی پانچ یا چھ کتابیں کمپوز ہو چکی ہیں مگر پیسہ کی کمی نے سارا کام روک دیا ہے۔ سکیل صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تلاشِ غالب کی اشاعت پر فوراً مدد دیں گے۔ اگر انہوں نے امداد نہ کی تو پھر میں اپنے پاس سے ولید صاحب کو چند سو روپیہ دے دوں گا کہ وہ کتاب کو فوراً شائع کر دیں۔ قانونی ستم بھی نہیں رہا۔ کیونکہ تلاشِ غالب اس قانون کے نافذ ہونے سے قبل کمپوز ہو چکی تھی۔ بہر کیف اب زیادہ وقت نہ گئے گا۔

(۴) سکیل صاحب دیرانِ غالب شائع کرنا تو چاہتے ہیں لیکن قطعیت کے ساتھ ابھی انہوں نے وعدہ نہیں کیا۔ ان کے اعداد و کے مطابق جس قسم کا دیران میں شائع کرنا چاہتا ہوں اس پر کم از کم چالیس پینتالیس ہزار روپے کی لاگت آئے گی۔ کیونکہ غالب کا دیران اگر شائع ہوگا تو نہایت شاندار۔ طباعت کا ایسا نمونہ جس کو عمر سبک لوگ نہیں بھول سکیں گے۔

(۵) میں ظلیل صاحب سے بھی ملا۔ وہ نقوش کا ایک اور غالب نمبر شائع کر رہے ہیں۔ یہ معزز رائیٹین ہوگا۔ اس نمبر میں غالب کی نایاب اور کیا ب تحریریں ہوں گی۔ گلِ رحمن کا اصل نسخہ لاہور میں ایک صاحب کے پاس ہے اور بارہ ہزار روپے والے موجود ہیں مگر وہ صاحب جیسے ہزار مانگتے ہیں۔ ظلیل صاحب اس کا ٹکس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور امید ہے کہ ٹکس مل جائے گا۔ بھروسہ متعیش صفحات پر اسے شائع کریں گے۔

ظلیل صاحب نے نسخہ امروہہ کے ٹکس حاصل کرنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزہ حاصل کر لیا تھا مگر چونکہ انہیں یقین نہ تھا کہ ٹکس ملیں گے یہ مسئلہ ملوثی کیا ویزہ کا وقت نکل گیا۔

دروغ مصلحت اسٹور کے لئے پرووگارِ عالم مجھے معاف کرے۔ میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں ایک بات یاد آئی کہ آپ نے میرے بیکٹ پر میرے نام کے بعد

معرفت طفیل صاحب کیوں نکلا۔ میرے پہنچنے میں اگر دیر ہو جاتی تو یقیناً چچا جان تمام چیزوں کے ساتھ عکس بھی طفیل صاحب کو دے آتے۔ وہ کھولتے دیکھتے۔ آپ کے بارے میں کیا خیال فرماتے اور میرے بارے میں کیا سوچتے۔

بہر کیف اب آپ سے ایک بات ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو عکس طفیل صاحب کو دوں تاکہ وہ نقوش کے غالب نمبر میں شامل کر لیں۔ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو دو ہائیں ذہن میں رہیں ایک تو یہ کہ عکس کی ذمہ داری میری رہی۔ یعنی آپ سے طفیل صاحب شکایت نہ کر پائیں گے۔ ہاں یہ لازمی ہو گا کہ اس کے حواشی و مضمون آپ تحریر فرمائیں گے۔ مجھے چچا جان نے طلبا کہ ۱۴ اکتوبر کو کوئی ”بچہ“ کیا ہے۔ یہ صاحب جنہیں چچا جان بچہ کہتے ہیں۔ جلد واپس آئیں گے اور وہ حواشی و مضمون لیتے آئیں گے۔

مجھے آپ صاف صاف لکھیے کہ کیا آپ اجازت دیں گے۔ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو پھر یہ اس وقت تک میرے پاس محفوظ ہیں جب تک غالب کا دیوان شائع کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو جاتا۔

(۶) سکیل صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ دیوان غالب شائع کریں گے بشرطیکہ وہ انگلستان نہ چلے گئے۔ وہ دو سال کے لئے انگلستان جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں ان کی واپسی کا انتظار نہیں کروں گا کہیں اور بات کروں گا۔

(۷) سب رس حیدر آباد کا غالب نمبر شائع ہوا ہے۔ یہ اطلاع ملی ہے۔ اور ہاں وہیں سے ہی غالب پر مبنی مطبوعہ کتب کا حال ان اشتہارات سے معلوم ہوتا ہے جو رسائل میں ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جو صاحب اب گئے ہیں آپ ان کے ہمراہ حواشی کے ساتھ ساتھ رسائل و کتب بھی روانہ کر دیں۔

(۸) نواں پنکٹش سرٹیکٹ لینے خود گیا تھا۔ وہاں ایک صاحب سے جن کی الیہ آپ

کی شاگردہ بنی ہیں وہ صاحب کہتے تو تھے کہ جلد یہ سر ٹیکلیٹ مل جائے گا۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو کتابیں جمع کر لی ہیں۔

(۹) عبدالقدیر صاحب نے آپ کو کون سی کتابیں دی ہیں۔ ان کے نام لکھئے۔
بھابھی جان کی خدمت میں آداب۔ میں آپ کے خط کا سخت بے چینی سے منتظر ہوں۔

کتابیں اور در سالوں کا بھی انتظار ہے اور اجازت کا بھی۔
(۱۰) ۱۶ اکتوبر کو چچا جان نے سلیمان احمد صاحب فاروقی کے مکان پر بڑی بڑکھلف دعوت دی۔

(۱۱) واضح رہے کہ جلال الدین صاحب اور دیگر حضرات سے نیکو امر وہ کا تمام کلام مکرم طفیل صاحب کو مل چکا ہے۔

نکس چھاپنے کی اجازت آپ دے دیں تو اُس کا خُسن دو بالا ہو جائے گا۔
جلال الدین صاحب کے مضمون پر طفیل صاحب بتلاتے تھے کہ بہت غلطو موصول ہوئے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر اصل بات معلوم ہو جائے۔ آپ مضمون بھیجئے۔

فقط

احقر

لطیف الزماں خان

لطیف الزماں خان۔ ایم۔ اے

لیچرر شعبہ انگریزی

گورنمنٹ کالج۔ ملتان

موسم ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۹ء

مکیارہ پنج شنب

برادر م۔ السلام علیکم۔ شدید انتظار کے عالم میں آپ کا ۲۷ جنوری کا مکتوب مجھے کل سہ پہر ملا۔ میں ۱۱۸ کتوری کو بھی ایک عرض دروازہ کر چکا ہوں امید ہے ملا ہوگا۔

جلال الدین صاحب اور مسلم ضیائی صاحب کے مضامین کے تراشے آپ کو نہ ملے یعنی میرے دو خط بھی آپ کو نہ ملے ان کا دستیاب ہونا اب مشکل ہے۔ عام طور پر روزنامے کی کاپی مشکل سے ملتی ہے۔ پرمٹ تو واقعی مل گیا لیکن ابھی ٹیٹ بک سے No Objection Certificate نہیں ملا ہے۔ یہ سرٹیفکیٹ کراچی سے ملے گا۔ اصل پرمٹ بھیج دیا گیا ہے۔ امید ہے ہفتہ عشرہ میں سارے معاملات طے ہو جائیں گے اور میں آپ کو کتب و رسائل روانہ کر سکوں گا۔ میں یہ معلوم کروں گا کہ ادبی کتب و رسائل درآمد کرنے کے لئے پرمٹ مل سکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ پرمٹ مل سکا تو آپ کو مطلع کروں گا۔

میں گزشتہ خط میں تلاش غالب کے بارے میں لکھ چکا ہوں کہ ولید صاحب مالی طور پر ان دنوں کمزور ہیں۔ لیکن سمیل صاحب نے مالی اعانت کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے خود ۱۶ کتوری کی شام ان سے گفتگو کی ہے اور بے کو بھی ان سے اسی سلسلہ میں ملا تھا۔ میں آج ہی ولید صاحب کو خط لکھ رہا ہوں کہ اگر سمیل صاحب بدد کرتے ہیں تو ٹھیک ورنہ میں خود اس کا انتظام کروں گا۔ انشاء اللہ چودہ مئی یوم میں کتاب بازار میں آجائے گی۔ تلاش غالب کے لئے اجازت کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ کیونکہ وہ قانون کے نافذ ہونے سے قبل چھپ چکی تھی۔ اب تو صرف جلد ہونا باقی ہے۔ اشاریہ البتہ اس ایڈیشن میں نہ ہوگا۔

میں نے تو آپ کو پہلے ہی لکھا تھا کہ جلال الدین صاحب نے نسخہ امروزہ کی دریافت کا سہرا خود ہاندہ لیا ہے۔ مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہے کہ آپ نے اس نسخہ پر آنا پسند نہ کیا۔ یہ صحیح ہے کہ وہاں کے اخبارات اور رسائل اب یہاں نہیں آرہے ہیں مگر یہ بات یکسو درست نہیں ہے۔ آپ اگر طفیل صاحب کے چند پر کوئی رسالہ بھیجیں تو وہ بھیج جائے گا۔ اسی طرح کراچی کے لوگ بھی کسم آفسر سے اجازت لیتے ہیں۔ البتہ یہاں شاید رسائل نہ بھیج

تکلیف :-

وہاں آپ نے اور توفیق صاحب نے ہماری زبان میں صورت حال سے لوگوں کو واقف کرادیا۔ یہاں چھا ہوا لیکن یہ زمانہ تو پروپیگنڈے کا ہے اور جمال الدین صاحب اس سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کم از کم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ وہاں کے اخبارات اور رسائل میں صحیح حالات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اگر آپ توفیق صاحب اور اپنا مضمون نقل کر کے (چھپا ہوا تو آنے کا نہیں) بھیج دیں تو پھر یہاں کے اخبارات و رسائل میں ان مضامین کو Reproduce کرایا جاسکتا ہے۔

یہاں آج اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اکبر علی خان نے وہی کیا جس کا اندیشہ وزیراعظم صاحب عابدی نے کیا تھا یعنی نسو کا ٹکس شائع کر دیا ہے۔ یہاں ابھی کسی اور کے پاس ٹکس نہیں پہنچے ہیں۔ لیکن آپ کا یہ فیصلہ مستحسن ہے کہ یہ نسو وہاں بھی شائع ہو اور یہاں بھی۔ یہاں کا ٹکرا آپ ہرگز نہ کیجئے۔ یہاں انشاء اللہ یہ نسو اس شان سے شائع ہوگا کہ اکبر علی خاں دیکھتے ہی رو جائیں گے۔ وہاں کا اہتمام آپ ٹھو کیجئے۔

میں چچا جان کا خط پا کر لاہور گیا تھا۔ ۱۵ اکتوبر کو انہوں نے رسائل ایک کتاب دو ٹکس مجھے متاع فرمائے۔ تفصیل گزشتہ خط میں لکھ چکا ہوں۔ میں نے ۱۶ اکتوبر کی شام کو لاہور سے روانہ ہوا۔ حقیق صاحب کو اس وقت تک آپ کا خط نہیں ملا تھا۔ آپ کا خط ملنے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ حقیق صاحب کو لڑک کال پر بتلایا کہ ٹکس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہ برسوں یعنی ۱۵ اکتوبر بروز اتوار حشریف لائیں گے اور میں آپ کے عزم کی تعمیل کرتے ہوئے ٹکس انہیں دے دوں گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ آپ جلد از جلد اس نسو کے بارے میں مضمون لکھ کر بھیجئے۔ بات کچھ یوں ہوگی کہ ٹکس بھیجنے کی ذمہ داری اب بھی آپ پر نہیں آنی چاہئے تاکہ توفیق صاحب کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے ہاں یہ بے حد ضروری ہے کہ یہاں کے قاری کو صحیح صورت حال معلوم ہو جائے۔ نقوش کا معروضہ رائے بشن شائع ہوگا۔ صادقین اور

عبدالرحمن چغتائی کی نئی تصاویر سے حیرتیں ہوگا اور ایک مستقل دستاویز۔ روزناموں کے مقابلے پر جو مضمون نقوش میں شائع ہوگا اس کی حیثیت مستقل ہوگی۔ آپ مضمون قسط وار مجھے یا طفیل صاحب کو بھیج دیجئے۔ یعنی اگر عمل مضمون یک پارگی نہ ہو پائے تو خطوط کی شکل میں بھیجئے۔ نقوش و سبر میں شائع ہوگا۔ اگر کوئی صاحب آنے والے ہوں تو مضمون آسانی سے لائیکس گے۔

اردو نامہ قوی زبان 'اردو اور نقوش کے شمارے آنکھ میں جمع کرتا رہوں گا۔ جب موقع ملے گا بھیج دوں گا۔ اگر مدبر صاحبان نے بھیج دیئے تو ٹھیک ہے ورنہ خرید لوں گا۔ آپ خاطر جمع رکھئے۔

سکیل صاحب واپس تشریف لے آئے ہیں۔ وہ اگر انگلستان نہ گئے تو یقیناً دیہان غالب شائع کریں گے۔ ورنہ طفیل صاحب شاید خود آبادہ ہو جائیں۔ میں مجلس ترقی ادب اور دیگر اداروں سے بھی بات کروں گا۔

یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ قذیر صاحب ماؤ کو نہیں لے گئے۔ اگر آپ کے پاس زائد ہو تو بھیج دیجئے بلکہ اپنی کافی ہی عبدالقوی صاحب کو بھیج دیجئے۔ میں ہر صورت آپ کو ماؤ کو بھیج دوں گا۔ عبدالقوی صاحب نہ جانے کیا سوچتے ہوں گے۔ میں ان سے برا اثر مند ہوں۔

میرا یہ بڑا طفیل صاحب نے چھاپا ہے۔ وہ مجھے غالب کا طرف دار سمجھتے ہیں۔ میرے خیال میں تصویر کا ساتھ چھوٹا ہونا اور حروف بھی ایک جانب ہونے اور چھوٹے تو یہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا۔ اب کاغذ اتنا اچھا ہے کہ اسے کچھ کٹنے کوئی نہیں چاہتا اور جب کہ غالب کی تصویر بھی ہے۔ بچوں کے لئے نکل اسنے ضروری نہیں ہیں۔ دراصل وہ مجھیں اور انہیں آپ کا تعارف پہنچاتے ہیں اور شور مچا دیتے ہیں کہ نکل آئے ہوں گے۔ کوئی جلدی نہیں اطمینان سے بھیجئے گا۔

خدا کرے کہ آپ کی طبیعت اب ٹھیک ہو۔ آپ کے خط کا آخری جہرا گراف خاصہ پریشان کن ہے۔ انسان کو جب تک سانس آتا ہے کبیر علی خاں اور سید قدرت نقوی جیسے لوگ ملتے ہیں۔ مگر آپ کیوں غم کریں لغت بیچئے۔

چچا جان نے غلام احمد کو کوئی عزیز ۱۲ اکتوبر کو امرودہ مجھے بھیجے ہیں۔ ان کے ہمراہ رسائل اور کتب کے علاوہ اپنا اور توفیق صاحب کا مضمون مطبوعہ ہماری زبان اور نقوش کے لئے مضمون جو ٹکس کے ساتھ شائع ہو سکے ضرور بھیجئے۔ بار بار لکھتے ہوئے شرم دامن کبیر ہوتی ہے کہ مطبوعہ کتب و رسائل کسی طرح بھیج دیجئے۔ میں دو دن سے سخت ذکا م دکھائی میں مبتلا ہوں۔

فخیم صاحب سے جو منگلو ہوگی آپ کو مطلع کروں گا۔ بھابی جان کو آداب۔ بچے سلام عرض کرتے ہیں۔ اہلیہ آداب کہتی ہیں۔

اگر آپ کا مضمون نہ آیا تو تلاش غالب میں نسخہ امرودہ سے معلق جو مضمون ہیں اسے شامل کرادوں گا لیکن ضروری ہے کہ آپ توفیق صاحب کے حوالے سے دوسرا مضمون لکھیں تاکہ اصلیت معلوم ہو سکے۔ جلال الدین اور اکبر علی خاں اگر جھوٹ بول سکتے ہیں تو کیا آپ سچی نہیں بول سکتے۔

احقر

لطیف الزماں خان

لطیف الزماں خان۔ ایم۔ اے

پشاور شعبہ انگریزی

گورنمنٹ کالج۔ ملتان

مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء

برادر م۔ السلام علیکم۔ آپ کا ۱۲ ستمبر کا تلفاز جو دہلی سے ۱۴ ستمبر (۱۵ اک خانہ

کی سرغاہ کرتی ہے) کو روانہ ہوا۔ مجھے ۱۹ اکتوبر کو ملتا تھا میں نے دوسرے روز آپ کو جواب لکھ دیا تھا۔

آپ کا ۱۳۰ نمبر کا کارڈ مجھے کل یعنی ۱۱ اکتوبر کو ملا۔ خدا جانے ڈاک اس قدر دیر سے کیوں آ رہی ہے۔ میں آپ کو گزشتہ خط میں لکھ چکا ہوں کہ چچا جان کا خط جو انہوں نے ۱۲ نمبر کو لکھا تھا مجھے ۱۲ اکتوبر کو مل گیا تھا۔ حکم تھا کہ ۵ کو لاہور پہنچوں اور تمام چیزیں حاصل کروں چنانچہ قبیل حکم میں کیا اور سب چیزیں جن کا ذکر گزشتہ خط میں ہے لے آیا۔

جب ۱۹ اکتوبر کو مجھے آپ کا خط ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلی فون کیا اور وہ آج لاہور سے تشریف لے آئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی اور ٹکس انہیں دے دیئے۔ طفیل صاحب کو آپ کا خط مل چکا ہے۔ ان سے جو گفتگو ہوئی ہے اسے مختصراً میں درج کرتا ہوں۔ خیال ان کا یہ تھا کہ نقوش کا غالب نمبر حصہ دوم دبیر میں شائع کریں لیکن اب وہ نمبر ہی میں شائع کریں گے۔ یہ مضمون توفیق صاحب کا اگر بھیج آپ دیں تو وہ بھی شامل کر لیا جائے گا۔ آپ نے اگر نیا مضمون بھیج دیا تو نمبر ”ملاش غالب“ والا مضمون ہی شامل کر لیا جائے گا۔

طفیل صاحب چاہتے ہیں کہ میرا ذکر بھی آئے لیکن مجھے نام و نمود سے نفرت ہے میں نے انہیں سختی سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی مصلحت کی بنا پر میرا نام شامل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ طفیل صاحب نے بھی یہی فرمایا کہ ٹکس کی ذمہ داری آپ نہ لیجئے۔ بس مضمون آپ کا اور ٹکس کی ذمہ داری میری یا کسی اور کی۔ اس لیے ہوگا یہ کہ آپ کو توفیق صاحب کچھ کہہ نہ پائیں گے۔ نیز آپ کہہ سکیں گے کہ آپ نے صرف اپنی کتاب کے لئے مضمون لکھا تھا وہ شامل کر لیا گیا ہے۔ یا اگر نیا مضمون بھی ہوگا تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ طفیل صاحب کی فرمائش پر لکھا ہے۔

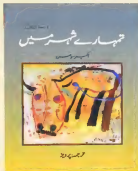
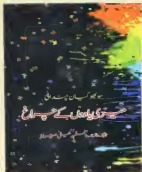
اگرچہ کہ جلال الدین صاحب نے یہاں آ کر اخبارات و رسائل میں مضامین

شائع کرائے ہیں لیکن جو خیر نقوش میں ہوگی وہ صحیح تصوری جائے گی نیز دیر پا بھی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ کوشش اس امر کی ہوگی کہ کم از کم یہاں کے قاری کو صحیح صورت حال کا علم ہونے لگے۔

آج فضیل صاحب آئے بھی اور کبھی بھی چلے گئے۔ میں نے دوپہر کو کچھ اور لوگوں کو بھی کھانے پر مدعو کیا تھا۔ ان میں ایک صاحب مسعود اشعر صاحب بھی تھے۔ مسعود اشعر صاحب عرشی صاحب کے عزیز ہوتے ہیں اور عرشی صاحب و اکبر علی خاں صاحب کو ہم لوگوں سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ مسعود صاحب نے بتلایا کہ اکبر علی خاں صاحب نے انہیں اپنا اور سرور صاحب کا وہ مقدمہ بھی بھیجا ہے کہ جہانپوں نے نسو امروہہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ہنگ کراچی کو بھی یہ تحریر بھیجی ہیں۔ مگر اب تک صرف خبر آئی ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ پروپیگنڈا یہاں اور وہاں ہوتا کہ ان کو مطلقاً عقلمند تسلیم کر لیا جائے۔ اب ضروری ہو گیا ہے کہ تمام اخبارات و رسائل کے ذریعہ غالب کے کام نو و دریافت سے مطلق صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

آج مجھے بار بار یہ خیال آتا رہا کہ جب توفیق صاحب چھ ہزار پر وہ مخطوط فروخت کر رہے تھے تو آپ نے خرید کیوں نہ لیا۔ تاکہ اکبر علی خاں اور جلال الدین جیسے حضرات کو ہوا بھی نہ لگتی۔ دیو ان غالب کے نسخے اگر چہ جان کو فراہم کئے جاسکتے ہیں تو کیا آپ کو فراہم نہ کئے جاتے۔ افسوس کہ اس وقت آپ نے اس پر غور نہیں فرمایا تھا اور اب صورت حال اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ اکبر علی خاں صاحب نے توفیق صاحب کو راہ پر لگا لیا اور اپنے نام سے عکس شائع کروئے۔ آپ اگر اس عرشی زاوہ کی ایک کاپی رجسٹری سے فضیل صاحب کو بھیج دیں تو وہ پہنچ جائے گی۔ ایک کتاب بار سال آ جاتا ہے۔ فضیل صاحب نے بتایا تھا کہ کل ہی رجسٹری سے کوئی کتاب پہنچی ہے۔

اگر وہ میرے لئے ہوگی تو میں لے لوں گا۔ ورنہ آپ سلیمان احمد صاحب فاروقی



فکشن ہاؤس



لاہور • حیدرآباد • کراچی

e-mail: fictionhouse2001@hotmail.com

